کوشل خاتون

(ناول)

شفق سوپوری

تازہ و تر لہجے کے شاعر
عزیز مکرم سالم سلیم کی نذر
محبتوں کے ساتھ
شفق سوپوری
11-10-22

کوشل خاتون

(ناول)

شفق سوپوری

(ناول)

کوشل خاتون

بہ

شفق سوپوری

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۲

KOSHAL KHATUN

by: *Dr. Shafaq Sopori*

1/101, Highland Enclave, Gogo, Humhama,
Near International Airport, Budgam 1900021
Contact No: 07006828727
E-mail : drshafaqsopori333@gmail.com

Year of Edition 2022
ISBN:978-93-94616-72-1
₹ 300/-

نام کتاب	:	کوشل خاتون
مصنف	:	ڈاکٹر شفق سوپوری
سالِ اشاعت	:	۲۰۲۲ء
قیمت	:	۳۰۰ روپے
تعداد	:	۵۰۰
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	ڈاکٹر شفق سوپوری
سرورق	:	رؤف قیاسی
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی ۔۶

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678203, 45678286, 41418204, 23216162
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

میری داستانِ حیات میں اب صرف دو درویش رہ گیے ہیں:

بشیر چراغ اور جاوید رسول

سو یہ ناول میں ان کے نام کرتا ہوں۔

(شفیقؔ سوپوری)

مصنف کی تصانیف

- دلِ خاک بسر (غزلیات)
- بیتے موسموں کے دکھ (نظمیں اور گیت)
- دشت میں دور کہیں (غزلیات)
- ریشم سراب خواب (غزلیات)
- اردو غزل اور ہندوستانی موسیقی (تنقید و تحقیق)
- موسیقی، شاعری اور لسانیات (تحقیق)
- مخزنِ موسیقی (تحقیق)
- کلامِ فیض کا عروضی مطالعہ (تحقیق)
- جہات (تنقید)
- غ۔م طاؤس: فن اور شخصیت (تنقید و تحقیق)
- نیلیما (ناول)
- فائرنگ رینج: کشمیر ۱۹۹۰ء (ناول)
- موسیٰ (ناولٹ)
- شگفتانے (طنز و مزاح)
- اشاریہ ''شیرازہ اردو'': جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز (تحقیق)

- دریا ہے چشم گریہ ناک (ناول)
- لفظ عروض اور شاعری (تحقیق)
- فرہنگِ موسیقی (فرہنگ)
- Glossary of Terminology (Music)
- کوشل خاتون (ناول)
- راگ راگنی اور ورجت سُر (افسانے)



اس ناول کے سب کردار، واقعات اور مقامات فرضی ہیں۔ اس ناول کے کسی بھی کردار، واقعہ یا مقام سے کسی بھی قسم کی مماثلت محض ایک اتفاق ہوسکتا ہے جس کے لیے ناول نگار پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

(ڈاکٹر شفق سوپوری)

DISCLAIMER

This is a work of fiction. Names, characters, business and incidents are the products of authors imagination.Any resemblance to actual persons, living are dead, are actual events is purely coiincidental for which the author shall not be responsible.

(Dr. Shafaq Sopori)

نوٹ:

یہ ناول مصنّف نے بڈگام (جموں کشمیر) میں لکھ کر ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی سے چھاپا ہے۔ کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی کا حق سرینگر یا بڈگام کی عدالت کو ہوگا۔

(مصنّف)



رانوں کے بیچ میں کھجلی ہو رہی ہے

ساری رات بادل گرجتے رہے۔ بجلیاں لپک لپک کر چمکتی رہیں۔ غضب کی برسات ہوئی۔ اس نے کمرے کی کھڑکی کھولی۔ تیز ہوا کے ایک جھونکے سے بارش کی ایک ترچھی بوچھاڑ نے اس کے جسم کو ڈھک لیا۔ اُسے جھرجھری آئی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ پورے علاقے کی بتّی گل ہوئی تھی۔ آسمان پر بجلی چمکی تو بادل گرجنے سے پہلے اس نے دیکھا کہ گلی کی موریاں پانی سے بھر گئی ہیں بادل گرجنے کے بعد موریوں سے چھل چھل اچھلتے پانی کی آواز سنائی دی۔ وہ سوچنے لگی:

''بجلی چمکنے کے بعد ہی کیوں بادل گرجتے ہیں۔
بادل گرجنے کے بعد کیا بجلی نہیں چمک سکتی؟ بادلوں کی کوکھ سے بجلی کیسے جنم لیتی ہے؟''

اس کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔ وہ دوپٹا اٹھا کر چہرہ پونچھنے لگی۔ دوپٹے سے پسینے کی بدبو آ رہی تھی۔ اس نے سانس لیا تو بدبو پھیپھڑوں سے ہو کر سارے وجود میں پھیل گئی۔ ابکائی آنے لگی تو دوپٹا دور پھینکا۔ بجلی چمکی لگا جیسے بادلوں کے پیچھے کوئی بیٹھا اسے ننگے سر دیکھ رہا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر ڈھانپا:

''بابل موری چنریا کھوئی۔''

وہ بڑبڑاتے ہوئی اندھیرے میں دوپٹا ڈھونڈنے لگی۔ ٹٹولتے ٹٹولتے ہاتھ شوہر کے پاجامے پر پڑا۔ اسے محسوس ہوا کہ پاجامے کے نیفے سے کسی نے ناڑا نکال دیا ہے۔ پاجامہ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ لگا جیسے اس کا شوہر ننگا ہو کر اپنے ہاتھوں سے ستر چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنا دوپٹا شوہر کی طرف پھینکا۔ شوہر نے دونوں بازو پھیلا کر دوپٹا پکڑ لیا۔ جس لمحے میں اس کے شوہر نے دوپٹا لپک کر پکڑ لیا اس ایک لمحے نے اسے شرمندگی دی۔ اسے لگا جیسے اس کا شوہر آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر کہہ رہا ہو:

''اے پاک پروردگار! جب آدم تم سے بھاگتا تھا تو تم
نے اس سے پوچھا تھا اے آدم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ آدم
بولا تھا نہیں میرے اللہ! میں اپنی شرم سے بھاگ رہا ہوں۔
اے میرے پرودگار! میں بھی اپنی شرم سے بھاگ رہا ہوں۔
مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے؟''

اس نے کھڑکی بند کی اور سسک سسک کر رونے لگی۔

رات کی بارش سے امس کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو

لگا کہ بہت دیر ہوگئی ہے۔ کھڑکی کھول کر دیکھا آسمان پر صبح کے نور کا دھندلکا پھیلا تھا۔ گلی کی میلی ٹائیلیں رات کی بارش سے دھل گئی تھیں۔ موریوں میں پانی اپنی معمول کی رفتار سے بہہ رہا تھا۔ اچانک ہوا کا ایک بدبودار جھونکا آیا۔ اس نے اپنا ہاتھ ناک پر رکھا۔ وہ بڑبڑانے لگی:

''یہ کون سے سمندر کا ساحل ہے؟ دور تک مچھیروں نے ریت پر سکھانے کے لیے مچھلیاں رکھی ہیں۔ مچھلیوں پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ مچھر اند کے بھبکے اڑ رہے ہیں۔ مچھلیاں سبز آنکھوں سے مجھے گھور رہی ہیں۔''

اس نے کونے سے اپنا دوپٹا اٹھایا۔ سونگھ کر اسے دور پھینکا:

''ہٹ! سڑی ہوئی مچھلی۔''

پھر وہ دیر تک غسل خانے میں اپنے جسم پر برسات کرتی رہی۔ اسے لگا جیسے نل میں مچھلیاں مر کر سڑ گئی ہیں۔ وہ نہا کے نیچے آئی۔ الماری کھولی دیکھا کہ اس کے اپنے کپڑے اسے تاک رہے ہیں۔ فوراً کپڑے بدل کر رسوئی میں آئی۔ ناشتہ بنایا۔ سیڑھیاں اتر کے دکان کا اندرونی دروازہ کھولا۔ اپنے شوہر کے منہ سے چادر ہٹائی۔ اس کا شوہر بڑبڑایا:

''کیا دیکھ رہی ہو کہ کہیں میں مر تو نہیں گیا؟''

''مریں تمہارے دشمن۔''

اس نے شوہر کو سہارا دے کر اٹھایا:

''پھر تو میرا سارا گھر خالی ہو جائے گا۔''

شوہر نے آنکھیں موند کر کہا۔اس نے پوچھا:

''آؤ گے نہیں؟''

شوہر نے انگوچھے سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا:

''ایک بار تمہارے کہنے پر گاؤں چھوڑ کر اس جنگل میں آیا تھا۔اب یہ دنیا چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں۔''

''آؤ گے نہیں؟''

اس نے پھر سے پوچھا:

''کس لیے؟ دستار تو اتر گئی۔اب گردن پر سر باقی رہ گیا جو ساری عمر کے لیے جھک گیا۔جاؤ تم لوگ ہو کر آؤ۔تم بھی دیکھ لو جب اوڑھنی سر سے اترتی ہے تو کلیجے میں کیسا درد اٹھتا ہے۔ساری عمر دوسروں کے کپڑے سینے والا بھول گیا تھا کہ خود وہ ننگا ہے۔''

اس نے ہنگروں میں لٹکتے ہوئے کپڑوں کی طرف اداس نظروں سے دیکھ کر کہا:

''میں سوچتا تھا کہ لاج ڈھانپنے کے لیے صرف کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔مجھے کیا معلوم تھا کہ ـــــــ''

اس کے آگے وہ کچھ کہتا کہ ان کا بڑا بیٹا آ گیا:

''ممی! پھر ٹریفک جام لگتا ہے۔''

دہلی کا ٹریفک جام اور وہ بھی جولائی کی امس میں:

''پسینے میں شرابور سواری جب کیب میں بیٹھتی ہے تو اے سی کی ٹھنڈی ہواؤں سے پسینہ خشک ہوکر کپڑوں کو مانو پاپڑ بنا دیتا ہے۔ پھر ایسے کپڑوں سے جسم میں کھجلی ہونے لگتی ہے۔''

وہ سوچنے لگی:

''کھجلی۔'' وہ کہیں کھو گئی۔

''کہاں؟ کہاں کھجلی ہو رہی ہے؟''

''یہاں ممی! یہاں ہو رہی ہے۔ میری رانوں کے بیچ میں کھجلی ہو رہی ہے۔ بہت زیادہ۔''

اس کے ہاتھ سے کانچ کا گلاس گر گیا:

''ممی میں کانچ اٹھاؤں؟''

''رہنے دے ہاتھ میں کانچ چبھ جائے گا۔''

بیٹے کی آواز سن کر وہ چونک گئی:

''ممی! تم ٹھیک تو ہو نا؟ یہ کیا بڑبڑا رہی ہو؟''

وہ بڑبڑانے لگی:

''کانچ ٹوٹ گیا۔ تمہیں چھن کی آواز سنائی نہیں دی؟''

''نہیں تو۔''

''مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ ہر طرف سے چھن چھن کی آوازیں آ رہی ہیں۔''

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔کل چلے جائیں گے۔''

بیٹے نے اسے بٹھاتے ہوئے کہا:

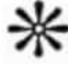
''نہیں آج ہی لے چلو مجھے۔''

اس نے دوپٹا اٹھاتے ہوئے کہا۔شوہر بولا:

''رہنے دو اپنا دوپٹا۔یہی رہنے دو۔ننگے سر چلنے کی عادت ڈال دو۔''

اس نے حیران نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔





پینٹی بھیگ جاتی ہے

جمنا کے پُل پر ٹریفک جام لگا تھا۔ مخالف سمت سے آنے والی کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بائیں طرف لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکا دے کر جمنا کے اس کنارے کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں پولیس کی کچھ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ کچھ غوطہ خور کشتیوں کے آس پاس غوطے لگا رہے تھے۔ ظرف النساء پچھلی سیٹ پر بیٹھی اچک اچک کر آگے دیکھ رہی تھی۔ کیب ایسے چل رہی تھی جیسے کوئی اسے دھکا دے رہا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے ڈانٹتے ہوئے کہا:

''بڑھاؤ بھئی! آگے کیوں نہیں بڑھاتے۔''

ڈرائیور نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

''میڈم! آگے کی گاڑی بڑھے گی تو ہی میں آگے بڑھاؤں گا نا۔''

اسی دوران ایک جوان پھدکتا ہوا اس طرف آیا تو ڈرائیور نے اپنی کھڑکی کا شیشہ اتار کر پوچھا:

''کیا ہوا؟''

اس نے بھاگتے ہوئے کہا:

''بلاتکار، بلاتکار۔''

کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

پل پر طعینات کچھ پولیس اہلکار بازو ہلا ہلا کر گاڑیوں کو آگے بڑھانے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ڈرائیور نے ایک پولیس والے سے پوچھا:

''کیا ہوا سر؟''

پولیس اہلکار نے جھنجھلا کر کہا:

''کچھ نہیں کسی لڑکی نے ندی میں کود کر جان دی ہے۔''

ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر کہا:

''کچھ معاملہ سمجھ میں آیا؟ اصل میں ہوا یہ ہوگا کہ کسی لڑکی کا بلاتکار ہوا ہے۔ اب عورت ذات کی عزت لٹ گئی تو جان کو لے کر کیا کرے گی۔ ندی میں کود کر جان بھی دیدی۔ یہ ہے جی سب قصہ۔''

اس سے پہلے وہ کچھ اور کہتا ظرف النساء نے ڈانٹتے ہوئے کہا:

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے دھیان سے گاڑی چلاؤ۔''

ظرف النساء کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کے پسینے چھوٹنے لگے۔ وہ بار

بار اپنے دوپٹے سے منہ کا پسینہ پونچھنے لگی۔ اسے لگا جیسے اس کے جسم کے انگ انگ سے پانی پھوٹ رہا ہے جس میں سڑی ہوئی مچھلیاں تیر رہی ہیں:

''جمنا کی سطح پر سڑی ہوئی مچھلیاں تیر رہی ہیں۔ سارے شہر میں مچھراند پھیلی ہوئی ہے۔''

وہ بڑبڑانے لگی۔ اس کے بیٹے محمد ثمر نے پوچھا:

''کیا؟ کیا بول رہی ہو ممی؟''

اس نے فلم سٹی کے بورڈ کی طرف دیکھ کر کہا:

''کہتی تھی مجھے ایکٹرس بننا ہے۔''

''کون؟ کون کہتی تھی؟''

ثمر نے پوچھا:

''وہی مچھلی جو مر گئی ہے۔ سڑ گئی ہے۔ اور جمنا میں کہیں تیر رہی ہے۔''

محمد ثمر اپنی ماں کی وحشت سے پریشان ہوا۔ اس نے ظرف النساء کا سر گود میں رکھنے کے لیے بایاں بازو پھیلایا:

''مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ میں جمنا میں بے جان ہو کر تیر رہی ہوں۔ مجھے تیرنے دو۔''

پولیس اسٹیشن کے آگے گاڑی رکی تو وہ ہڑبڑاہٹ میں اترنے لگی۔ کھڑکی لاک تھی اور وہ اسے کھولنے کے لیے دھڑ دھڑانے لگی۔ محمد ثمر نے کھڑکی کا لاک کھولا۔ ظرف النساء نیچے اترتے ہی گر گئی۔ اس کا دایاں پاؤں پسینے کی

وجہ سے چپل میں پھسل گیا۔ محمد ثمر نے ماں کو سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ لنگڑاتے ہوئے پولیس اسٹیشن کا گیٹ پار کر گئی۔ روش کی بائیں طرف لان کے سبزے سے گرم ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ اس کا دوپٹا بار بار سرک کر کاندھے پر آرہا تھا۔ اس نے دوپٹے کو درست کر کے اس کے دو کونوں کو دانتوں میں دبایا:

''کہاں ہے میری بیٹی؟''

اس نے دروازے پر کھڑے ایک پولیس اہلکار سے پوچھا:

''اندر جا کے پوچھ لے۔''

اس نے پرے ہٹ کر کہا۔

لیڈیز حوالات سے دردناک چیخیں آرہی تھیں۔ اس نے اپنی کوکھ کا درد پہچان لیا:

''جانے دو۔ مجھے اپنی بیٹی کے پاس جانے دو۔''

اس نے بنتی کی:

''اجازت نہیں ہے۔''

اس سے برداشت نہ ہوسکا اور وہ دوڑتی ہوئی حوالات کی طرف گئی۔ دونوں ہاتھوں سے حوالات کا جنگلا پکڑا۔ اسے لگا جیسے دہکتے انگاروں پر ہاتھ رکھا۔ وہ حوالات کی نیم تاریک فضا میں اپنی کوکھ کا درد کھوجنے لگی۔ اندر دس سے پندرہ لڑکیاں پڑی تھیں۔ ہر طرف جیسے بیلیں مرجھا کر فرش پر بکھری تھیں۔ اس نے اپنی کوکھ میں اٹھتی ہوئی بھیانک ٹیس کو پہچانا۔ اس کی بیٹی ایک کونے میں تڑپ رہی تھی۔ کوشل خاتون نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں کے

بیچ دبا کے رکھے تھے اور وہ درد سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ ظرف النساء چلائی:

''نہیں نہیں یہ میری بیٹی نہیں۔ یہ کوئی اور ہے۔''

اس نے دروازے پر کھڑے محمد ثمر کو پکارا:

''دیکھ دیکھ ثمر! یہ تمہاری بہن نہیں کوئی اور ہے۔ وہ تو جمنا میں کود کر مر گئی ہے۔ نہیں نہیں وہ سڑی ہوئی مچھلی کی طرح پانی پر تیر رہی ہے۔''

محمد ثمر کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے اس پاگل عورت کی صورت گھومی جس کی اکلوتی بیٹی کی عزّت جب سوتیلے بھائی نے لوٹی تھی تو اس نے زہر کھا کر خودکشی کی تھی۔ یہ اس کے بچپن کی بات ہے۔ اس پاگل عورت کی صورت بہت ڈراؤنی تھی اور وہ ہر دروازے پر اپنی بیٹی کو پکارتی تھی۔ محمد ثمر کو اس سے خوف آتا تھا اور وہ خواب میں اس کا چہرہ دیکھ کر ڈر کے مارے جاگ جاتا تھا:

''شکیلہ! اری شکیلہ!''

''چل دفع ہو یہاں سے۔ تمہاری شکیلہ کب کی مر کھپ گئی ہے۔ اب ہماری جان کیوں کھا رہی ہے۔''

بڑھیا اپنے منہ پر دو ہتڑ مار کر لڑکھڑائی اور گر گئی۔ وہ بڑھیا کی طرف دوڑنے لگا مگر ایک لیڈیز اہلکار نے اسے روکا:

''ادھر صرف لیڈیز کو جانے کی اجازت ہے۔ پیچھے ہٹو۔

جاؤ یہاں سے۔''

کوشل خاتون کے پاس دولڑکیاں تھیں۔ایک کے زانوں پراس کا سر تھااوردوسری اس کی کمر کوسہلا رہی تھی ظرف النساءان پر چلائی:

''ارے کیوں میری بیٹی کی لاش کوچھیڑ رہی ہوتم۔''

وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی:

''دیکھو بابل کا گھر چھوٹنے پر کیسا غدر مچایا ہے میری گڈیا نے؟''

اتنے میں سب انسپکٹر لکشمی دیوی ڈنڈا لے کر آئی۔شوروغل سن کر اس کے تلوؤں کو جیسے آگ لگ گئی۔اس نے غصے سے حوالات کا دروازہ کھولا اور پہلے ان لڑکیوں پر دو چار ڈنڈے برسائے جو کوشل خاتون کو سہارا دے رہی تھیں اور جب وہ دور ہٹ گئیں تو کوشل کو پیٹنا شروع کیا:

''کا تو نے قسم کھائی ہے رنڈی کہ کسی کو چین سے رین۔
دے گی۔مادر چود! سنڈا اس میں کیوں نہیں مر جاتی۔
ساڑے حوالات میں بدبو پھیلائی ہے۔''

اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا:

''اب چپ نہ ہوئی تو مار مار کے تیرا اپلا بنادوں گی۔''

ظرف النساء کے منہ سے دردناک چیخ نکلی:

''کیوں اتنا ظلم کرتی ہے۔بھگوان سے ڈر۔تو بھی تو آس اولاد والی ہوگی۔''

یہ سن کر لکشمی کا چہرہ غصے سے لال ہوا۔وہ اپنا آپا کھو بیٹھی:

''چپ کر کٹنی! تو نے اس چھنال کو پیدا کیا۔ تیرے سینے

سے کیوں بھاپیں اٹھ رہی ہیں؟''

اس نے حوالات سے باہر آ کر ظرف النساء کو پیٹنا شروع کیا:

''یہ آڑھت کی دکان تیری ہی ہے۔ تو یہ آڑھت کی دکان ____''

وہ ہانپ رہی تھی:

''تیری ہے۔ گانڈ مرانی! یہ لے ____ آگے آگے گرو پیچھے

پیچھے چیلا۔''

ظرف النساء کا دوپٹا گر گیا۔ محمد ثمر دروازے کی چوکھٹ پر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دوڑ کر اپنی ماں کو سہارا دیا۔ اس کے سر پر دوپٹا رکھا۔ ایک ____ پولیس اہلکار نے ظرف النساء کو اسٹول پر بٹھایا۔ اس نے لکشمی دیوی سے کہا:

''میڈم ڈاکٹر کو بلائیں؟ پیشاب کی جلن بہت تکلیف دیتی ہے۔''

لکشمی یہ سن کر جل بھن گئی۔ بولی:

''کیوں تم اس کے خصم لگتے ہو جو اتنی ہمدری دکھا رہے ہو؟

کچھ نہیں ہوا ہے اسے۔ بس چل چدا اس کی گرمی ہے۔

ڈنڈے سے ہی نکلے گی۔ پوچھ لو یہ کس لونڈے کا نچوڑ رہی

تھی۔ وہ حرامی بھی تڑپتا ہو گا۔''

ایک لیڈی اہلکار نے کہا:

''میڈم چھالوں کی جلن سے بہت پیڑا ہوتی ہے۔''

دوسری بولی:

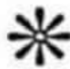
''ہائے کیا بتاؤں۔ جب زور لگا کر پیشاب کا ایک قطرہ نکلتا ہے تو کتنا مزہ آتا ہے۔ سارے بدن میں سنسنی پھیل جاتی ہے۔ پھر بدن ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ ایسی ہی جیسے ____''

''چپ ہو جا۔ رنڈیوں کے چھالے نہیں پڑتے۔''

سب انسپکٹر بولی:

''کیا معلوم ربڑ سے ہی پڑا ہو آج کل بڑے کھردرے ربڑ کی تھیلیاں آتی ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ محمد ثمر نے اپنی ماں کی باہ پکڑ لی اور اسے کھینچتے ہوئے باہر لینے لگا۔



کیب میں بیٹھ کر ظرف النساء نے اپنے سر سے دوپٹا اتارا اور اسے اپنے پاؤں کے تلے مسلنا شروع کیا:

''اوڑھوں کہ بچھاؤں؟ آ تیری لاش کو کفن پہناؤں؟ آدمی جب ڈوب کے مرجاتا ہے تو کتنے سکون سے پانی کی سطح پر تیرتا ہے۔ جیسے فاختہ کا پنکھ ہوا میں ہچکولے کھا کھا کر دور فضا ہی فضا میں اڑ کے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ میری فاختہ کے نچے ہوئے پر مونڈھے پر ڈھیر ہو گیے۔ اس کے جسم پر سانپ سلسلاتے رہے۔ کیسی دلہن ہے جس نے مالا کے بجائے

سانپوں کی کینچلی گلے میں ڈالی۔''

محمد ثمر بے حس وحرکت یہ سب سن رہا تھا۔اس کے بازو میں اتنی سکت نہیں بچی تھی کہ وہ پنی ماں کو سنبھالتا۔اس نے اپنی ماں کا دوپٹا اٹھانے کی کوشش کی۔ظرف النساء چونک کر بولی:

''رہنے دے ہاتھ میں کانچ چبھ جائے گا۔''

محمد ثمر دوپٹے کو کھینچنے لگا تو ماں نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا:

''کہانا ہاتھ میں کانچ چبھ جائے گا۔''

کیب کے ڈرائیور نے ظرف النساء کی چیخ سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھا۔پوچھا:

''میڈم کہاں ہے کانچ؟''

''میرے کلیجے میں اور کہاں۔''

ظرف النساء بدحواسی میں بڑبڑائی:

''جن کا دوپٹا ڈھلتا ہے وہ دوپٹا تان کے نہیں سوتے۔''

ظرف النساء نے جب اپنا دوپٹا پرنسپل کے جوتے پر ڈالا تھا تب وہ بولی تھی:

''کیا بڑبڑا رہی ہے ممی؟''

''سنڈاس میں سگرٹ کا دھواں ہے۔تمہیں دکھائی نہیں دے رہا؟''

کیب سے اترتے ہی ظرف النساء نے اپنا دوپٹا اٹھایا اور منہ ڈھانپ کے گلی سے گزرنے لگی۔محمد شعبان کی دکان پر شیٹر دیکھ کر اس کا دل ڈوب گیا۔اس کی بڑی بیٹی یونم خاتون چھت پر کھڑی ان کی راہ دیکھ رہی تھی۔

اس نے دروازہ کھولا تو ظرف النساء نے پوچھا:

''تمہارے پاپا نے کچھ کھایا؟''

پونم نے کہا:

''نہیں، وہیں پڑے ہوئے ہیں دکان میں۔''

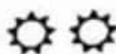
محمد شعبان کپڑوں کی ایک گٹھری سرہانے لیے کنڈلی مار کے سو رہا تھا۔ اس سے اپنے خاوند کی یہ درد شا دیکھی نہ گئی۔ وہ دردناک چیخ مار کر رونے لگی۔ سیڑھیوں پر ڈگمگانے لگی تو پونم نے سہارا دینے کی کوشش کی مگر اس نے اپنا بازو جھٹک دیا۔ وہ دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر کہنے لگی:

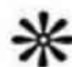
''ہائے کالک پوت دی میرے منہ پر لونڈیا نے۔ اپنے ہتھکنڈے نہ چھوڑے۔ اپنی چال سے نہ چوکی۔ گئی تھی پارلر میں کام کرنے منہ کالا کیا اسپا میں۔''

وہ بڑبڑانے لگی:

''موئی ادگدری ہی تھی تو کہا تھا کہ میں سپنے میں ناپاک ہو جاتی ہوں۔ کوئی مجھ سے سیکس کرتا ہے۔ میری پینٹی بھیگ جاتی ہے۔ کاش میں نے اسی دن پوچھا ہوتا کہ تم نے سیکس کا لفظ کہاں سے سنا ہے تو میری قسمت نہ پھوٹتی۔''

یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔





آوازوں سے بھاگنے کی سزا ملی

''امّاں!''

امّاں نے اپلا توڑ کر اس کے ٹکڑوں کو چولھے میں جھونکتے ہوئے

پوچھا:

''اب کا باٹے؟''

(کیا ہے اب؟)

وہ بولا:

''امّاں! فاریمیسن والا لوگ کب آئی؟''

(امّاں! فاریمیشن والے کب آئیں گے؟)

''کے کب آئی؟''

(کون کب آئیں گے؟)

اس کے بڑے بھائی محمد عثمان نے پوچھا۔

''فارمیسن والا لوگ۔''

(فارمیشن والے۔)

وہ بھائی کے پاس دوڑ کے گیا جو اسارے میں اپنی قمیص پر ٹانکے لگا رہا تھا۔

''اے پاگل! فارمیسن والا نہیں، انفارمیسن والا لوگ۔''

(ارے پگلے! فارمیشن والے نہیں۔ انفارمیشن والے۔)

بھائی نے ہنس کر اس کا مذاق اڑایا:

''کا کرے کے با فارمیسن والن کے؟''

(کیا کرنا ہے فارمیشن والوں کا۔)

باپ نے پوچھا۔ وہ نیم کے سائے میں کھاٹ پر لیٹا تھا۔

''یاد با نا بابا! پچھلکی بار وُہ لوگ کا کی کے دیوال پر اُجر کپڑا تان کرا یگو فِلم دکھائل رہے مسین سے۔ کا نام رہے وُہ فلموا کے؟ ہاں! ''اپکار'' ہی دکھائل رہلن سن۔ اور وُہ میں جب بندوق کے گولی چلل تب تو کرشن چچا ڈر کے مارے بھاگ گمیل رَہلن۔ ترا ہے ترا ہے!''

(یاد ہے بابا! پچھلی بار جب انہوں نے کا کی کی دیوار پر سفید کپڑا تان کر لگایا تھا اور مشین سے کیا نام تھا اس فلم کا ہاں ''اپکار'' وہی دکھائی تھی۔ اور جب بندوق کی گولی چلی تو

کرشن چاچا ڈر کے مارے بھاگ گیا تھا۔ تراہ تراہ۔)

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا:

''اور جب ایگو عورت ناچے لاگل تب کا جی جی لاحول ولا قوۃ کہت کہت بھاگ گیلن۔ اکال پڑی، باڑھ آئی، قیامت ہوِے۔ اللہ توبہ! ای بے حیائی باٹے۔''

(اور جب عورت نے ناچا تھا تو قاضی جی لاحول ولا قوۃ کہتے ہوئے بھاگ گئے تھے۔ اکال پڑے گا دیکھنا۔ سیلاب آئے گا۔ قیامت ہے۔ اللہ توبہ یہ بے حیائی۔)

اس نے قاضی جی کے لہجے کی نقل اتاری:

''بابا! اکال کا ہوکھے لا؟''

(بابا اکال کیا ہوتا ہے؟)

''تور موڑی۔''

(تمہارا سر۔)

باپ نے لاٹھی اٹھائی۔ وہ ڈر کے دور بھاگا:

''لاوارا ہو گئل با۔''

(آوارہ ہو گیا ہے۔)

باپ نے محمد عثمان سے کہا:

''اسکول سے بھاگ کر اپن نٹھلّو یار سبھن کے سنگت میں دوسر لوگن کے بگیچہ سے آم توڑت باٹے۔ چودھریا کلّے ت

کان اینٹھ کے چھوڑلس۔ پڑھائی میں جر کی سا بھی من ناہی
لگاوت باای لونڈا۔ ہم کہت بانی کی ایکرا کے کونو کام سیکھے
میں لگاؤ۔"

(سکول سے بھاگ کر اپنے نٹھلو دوستوں کی سنگت میں
دوسروں کے باغ سے آم توڑتا ہے۔ چودھری نے کل پکڑ
کر کان اینٹھ کر چھوڑا تھا۔ پڑھائی میں ذرا بھی من نہیں
لونڈے کا۔ میں تو کہتا ہوں کوئی کام کسب سیکھنے پر لگاؤ
اسے۔)

"شعبان! رے شبنو! رے شبنو!"

بھائی پکارنے لگا۔ بھائی کے ہاتھ میں سونٹی دیکھ کر وہ بھاگنے لگا:

"شبنو!"

بھائی کی آواز اس کا تعاقب کرنے لگی۔ وہ اندھادھند بھاگ رہا تھا۔ دھان کے کھیتوں میں مینڈوں پر لڑکھڑاتے ہوئے۔ اونچے ٹیلوں پر گرتے پڑتے۔ سرسوں کے کھیتوں میں مٹی کے سخت ڈھیلوں پر پاؤں جماتے ہوئے۔ آم کے باغوں میں پیڑوں کے سایوں کو چیرتے ہوئے۔ ندی کے کنارے کی گیلی زمین پر گرتے سنبھلتے۔ کڑکتی بجلیوں سے دہلتے ہوئے۔ غضب کی برساتوں میں بھیگتے ہوئے۔ جھیل کے کنارے پر کریال کرتی ہوئی مرغابیوں کی ڈار کو اڑاتے ہوئے۔ کوئل کے گھونسلے سے اتارے ہوئے چینگی پوٹے کو مٹھی میں دباتے ہوئے۔ آم کے جھاڑوں کے نیچے چرمر پتوں کو

کھڑکاتے ہوئے۔ دھنک کی قوس پر شہادت کی انگلی رکھ کر لہراتے ہوئے۔ برگد کے مستک پر سوئی ہوئی کرنوں کو جگاتے ہوئے۔ دھب دھب ہانپتے کانپتے دوڑ رہا تھا۔

تب جب شام ہوئی تو اس نے خود کو تارکول کی سڑک کے کنارے پر پایا۔ سڑک گرمی سے تپ رہی تھی۔ گاڑیاں ہیڈ لائٹ جلائے گزر رہی تھیں۔ وہ اپنی اماں کی پکار کا انتظار کر رہا تھا:

''امّاں کاہے نا پکارس؟ کا ہم ان کی پکار سے بہتّے دور آ گئل بانی؟ کا گاڑی کے ہلاّ ہنگامہ سے امّاں کے آواز دبا دیہل سن؟''

(اماں کیوں نہیں پکارتیں؟ کیا میں ان کی پکار سے بہت دور آ گیا ہوں۔ کیا گاڑیوں کے شور نے اماں کی آواز کو دبا دیا ہے؟)

تبھی ایک لمبی گاڑی نے ہارن بجایا اور وہ ہل کر رہ گیا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ موبائیل کی گھنٹی بج رہی تھی:

''ہیلو! محمد شعبان! تمہاری بیٹی پولیس کی حراست میں ہے۔ میں لوکیشن بھیج رہا ہوں۔ فوراً چلے آؤ۔''

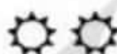
''کس کا فون تھا؟ اور تم اتنے گھبرائے کیوں ہو؟ کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟''

ظرف النساء نے گھبرا کر پوچھا۔

اس نے لنگی اتار کے ایک طرف پھینکی اور پاجامہ پہن کے جانے لگا:

''میرے آنے تک کسی سے کچھ مت کہنا۔ شاید قدرت کے ہاتھوں آوازوں سے بھاگنے کی سزا ملی ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔





پینٹی اسپا میں ہی بھول گئی

''مگر یہ سب ہوا کیسے؟''

''سوال یہ نہیں کہ ہوا کیسے____''

''مگر ہوا برا۔''

پولیس اسٹیشن کے لان کے کونے میں ایک جھاڑ کے نیچے کچھ سپاہی باتیں کر رہے تھے۔ وہ تین یا چار تھے۔ امس بڑھ گئی تھی۔ اور اس کے سینے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ پولیس والے سگرٹ پی رہے تھے:

''اب تو پوری انکیوری بیٹھے گی۔ پتہ نہیں کس کس کی شامت آئی ہے۔''

ان میں سے ایک نے سگرٹ کا بٹ دیوار کے اس پار پھینکتے ہوئے کہا:

''پہلی رپورٹ کس نے دی تھی؟''

ایک نے پوچھا:

''ڈی۔ایس۔پی صاحب نے۔مگر پھنسے گا تھانے دار۔''

دوسرا بولا:

''کیوں؟ وہی کیوں؟ مال تو سب میں بٹتا تھا۔''

''ارے یار! بڑی مچھلیاں بچ کے نکلنا جانتی ہیں۔دیکھو! ڈی۔ایس۔پی صاحب نے اس۔ایچ۔او صاحب سے کہا کہ معاملے کی چھان بین کرو۔ تھی تو وہ ایک قسم کی خانہ پری ہی۔ایس۔ایچ۔او صاحب نے سب انسپکٹر کو موقعہ پر تفتیش کے لیے بھیجا۔اب بھیا! جس تھالی میں کھاتے تھے اس میں تھوڑی چھید کرتے۔لکھ دیا کہ مساج کے سوا کوئی غیر قانونی سرگرمی نہیں ہو رہی ہے۔اب ایس۔ایس۔پی صاحب پیل رہے ہیں سب کو۔''

''معاملہ بہت دور تک جائے گا۔''

وہ دور بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔اسے اچانک یاد آیا کہ اس کے سگرٹ ختم ہو گیے ہیں۔اس نے گیٹ پر آ کر دیکھا۔سڑک کے اس پار پان والے کی دکان ابھی کھلی تھی۔اس نے دوڑ کر سڑک پار کی۔دکان پر دو ایک شرابی آپس میں مستی کر رہے تھے:

''چورسیا! سنا ہے بڑا مال اترا ہے تھانے میں۔''

ایک شرابی نے پان والے سے کہا۔دوسرا شرابی بولا:

''مادر چود! کون سے کورے برتن ہیں کہ تم جاؤ گے اوک لے کر۔''

مستی کے دوران ان میں سے ایک محمد شعبان کی طرف لپکا۔اس نے کتراتے ہوئے سگرٹ کا پیکٹ خریدا۔تھانے کے لان میں کئی لوگ بیٹھے تھے۔کوئی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیڑی پی رہا تھا تو کوئی پولیس والوں سے کچھ پوچھ رہا تھا۔کوئی اپنے بازو پر سر رکھ کر لیٹا ہوا تھا۔محمد شعبان کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے بارے میں کس سے پوچھے۔اندر تھانے سے آوازیں آ رہی تھیں۔اس نے اندر جانے کی کوشش کی مگر گیٹ پر تعینات سپاہی نے ٹوکا:

''اندر کاروائی چل رہی ہے۔ادھر جانے کی کسی کو اجازت نہیں۔''

اس نے گھبراتے ہوئے اپنا فون نکالا۔اور جس نمبر سے اس کو کال آئی تھی وہ دکھا کر بولا:

''مجھے اس نمبر سے کال آئی تھی۔تھانے پر بلایا ہے۔''

سپاہی نے فون آنکھوں کے پاس لا کر کہا:

''تم ابھی بیٹھو۔تمہیں بلایا جائے گا۔''

وہ بھی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔رات کے بارہ بج گیے ابھی اس کو اندر سے بلاوا نہیں آیا۔اس نے سگرٹ کا پیکٹ نکالا۔اس میں کوئی سگرٹ نہیں بچا تھا۔وہ احاطے سے باہر آ گیا۔دیکھا کہ دکان بند ہو چکی تھی۔پاس ہی فٹ پاتھ پر ایک بھکاری مچھروں کو اپنی چادر ہلا ہلا کر بھگا رہا تھا۔وہ

بیڑی پی رہا تھا۔ محمد شعبان اس کے پاس بیٹھ گیا۔ بھکاری نے پوچھا:

''تھانے پر بلائے گیے ہو؟ بڑی ہڑبونگ مچی ہے اندر۔

گاڑیوں میں بھر بھر کر لائے لونڈیوں کو کہیں سے۔ کوئی بڑا

چکر ہے۔ تمہارا ابھی کوئی اندر ہے کیا؟''

محمد شعبان ہڑبڑانے لگا:

''نہیں، ہاں ہاں۔ ایک بیڑی پلاؤ گے؟''

بھکاری نے بیڑی کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا:

''رکھ لو میرے پاس دو پیکٹ اور ہیں۔ تمہیں اس وقت کہیں

سے سگرٹ بیڑی نہیں ملیں گے۔''

محمد شعبان نے بیڑی جلائی:

''شکریہ۔''

بھکاری چادر تان کے سونے لگا۔

محمد شعبان نے تھانے کے احاطے میں وہ نمبر کئی بار ملایا مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ اب وہ بہت پریشان ہونے لگا۔ کوئی ایک بجے رات کو اندر سے کئی پولیس آفیسر نکلے۔ وہ احاطے میں کھڑی اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر نکل گیے۔ دو بجے محمد شعبان کو اسی نمبر سے کال آئی۔ اس نے بے چینی سے کہا:

''جی!''

دوسری طرف سے آواز آئی:

''اندر آجاؤ۔''

اندر ایک بڑا کمرہ تھا۔ دروازے کی سیدھ میں دیوار سے کچھ کرسیاں لگی تھیں جن کے آگے میزوں پر فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ دائیں طرف دو کرسیاں تھیں جن پر دو پولیس والے سیول ڈریس میں فائلوں پر کچھ لکھ رہے تھے۔ بغل میں ایک کمرہ تھا جہاں سے مدھم آوازیں آرہی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی قہقہہ بھی گونجتا تھا۔ محمد شعبان ڈرتا ہوا کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک اہلکار کے پاس گیا:

''مجھے اس نمبر سے کال آئی تھی۔''

اس نے فون پولیس اہلکار کے ہاتھ میں دیا۔ پولیس اہلکار نے فون میں نمبر دیکھ کر پوچھا:

''نام؟''

محمد شعبان نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا:

''کس کا نام؟ میرا یا میری بیٹی کا؟''

اہلکار نے ایک فائل کھولتے ہوئے کہا:

''تم اپنا نام بتاؤ۔''

'' محمد شعبان۔''

وہ ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔ اسے لگا جیسے اسے ابھی سب کے سامنے ننگا کیا جائے گا۔ اس کا جسم کانپنے لگا۔ پولیس اہلکار نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''تم وہاں کونے میں بیٹھے رہو۔''

پھر اس نے آواز دی:

''میں نے کہا سنیل!''

اندر سے آواز آئی:

''کیا کہا مکرم بھائی؟''

اندر قہقہہ گونجنے لگا:

''ابے سالے! میڈم سے کہو محمد شعبان کی بیٹی کو لے کر آئے۔''

ایک اہلکار اندر سے نیکر اور انڈر ویئر میں نکلا۔ اس نے باہر جا کر آواز دی:

''میڈم! محمد شعبان کی بیٹی کو لے کر آؤ۔''

لوٹتے ہوئے اس نے کرسی پر اونگھتے ہوئے ایک اہلکار کے گال کھینچ لیے۔ اہلکار چونک گیا اور اس کے منہ سے گالی نکلی:

''ابے لنڈ کے جھانٹ! سالے ______''

محمد شعبان کو جیسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ مکرم نے اسے بلایا۔ وہ مکرم کے آگے پڑی ہوئی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مکرم نے پوچھا:

''محمد شعبان! کتنے بچے ہیں؟''

محمد شعبان بولا:

''پانچ، خدا کے فضل سے۔''

یہ سن کر دوسرے اہلکار نے سر اٹھایا اور کہا:

''یہ لڑکی بھی خدا کے فضل سے ہی پیدا ہوئی ہے؟''

محمد شعبان شرم سے ڈوب گیا۔

مکرم نے کہا:

''کوشل کو چھوڑ کر باقی کے نام بتاؤ۔''

وہ بولا:

''پونم خاتون، سونم خاتون،، محمد ثمر اور ماہ رخ۔''

اس پر اہلکار بولا:

''چچا! یہ بتاؤ مرنے کے بعد تمہاری بیٹیوں کو چتا پر لٹانا ہے یا قبر میں دفنانا۔ پلان کیا ہے تمہارا؟''

مکرم نے اسے ٹوکا:

''تیاگی! چپ ہو جاؤ۔''

اتنے میں دو لیڈی اہلکار کوشل کو لے کر آئیں۔ محمد شعبان کا ماتھا ٹیبل پر تھا۔ مکرم نے کہا:

''لو جی اپنی بیٹی کی شناخت کر لو۔''

یہ سن کر دوسرے اہلکار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کوشل کی طرف دیکھا اور طنز کا تیر مارا:

''دھنیہ ہو دیوی جی! جو ہمیں بھی درشن دیے۔ وہ کیا کہتے ہیں شرما جی؟''

اس نے ادھیڑ عمر کے سب انسپکٹر پردیپ شرما کی طرف دیکھ کر کہا:

''لونڈیا دہلی کی ہے اور دکان نوئیڈا میں کھولی ہے۔ آس پاس برسے، دلّی والے ترسے۔''

محمد شعبان نے سر اٹھایا دیکھا کہ چوکھٹ پر اس کی بیٹی اسکرٹ میں کھڑی ہے۔اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑاتے ہوئے گر گیا۔مکرم نے سہارا دے کر اٹھایا۔کوشل نے باپ کو دیکھ کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپایا۔وہ پیچھے ہٹنے لگی تو دو لیڈی اہلکاروں نے اسے گھسیٹتے ہوئے اندر لایا۔وہ اپنے باپ کے سامنے منہ چھپائے کھڑی تھی۔محمد شعبان کی ٹانگیں تھرتھرانے لگیں۔وہ اپنی بیٹی کے پاؤں پر اکڑوں بیٹھ گیا۔اس نے کوشل کے گھٹنوں پر سر رکھا۔اس کے جسم کی تھرتھراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اپنے رونے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔تبھی وہ ذرا سا سر اٹھا کر اپنی بیٹی کی اسکرٹ کے کونے سے آنسو پونچھنے لگا۔ایک لیڈی اہلکار بولی:

"ابے چوتیے! نظر نیچی کر۔تمہاری بیٹی اسپا میں ہی اپنی پینٹی بھول گئی ہے۔"

یہ سن کر کوشل فرش پر گر گئی۔وہ چوکڑی مار کر اپنے باپ کے سامنے بیٹھ گئی۔محمد شعبان نے اپنے دونوں پنجے فرش پر مارے اور دھول اپنے منہ پر ملنے لگا۔اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔تھانے میں کھلبلی مچ گئی۔سب دوڑ کر یہ نظارہ دیکھنے لگے۔باہر بیٹھے ہوئے لوگ کھڑکی کے شیشوں سے جھانکنے لگے۔اتنے میں ایک اہلکار کو طیش آیا۔اس نے محمد شعبان کو دو چار تھپڑ مار کر چپ کرایا۔وہ چلانے لگا:

"سالے! بھڑوے! ناٹک کرتے ہو۔تم کو معلوم نہ تھا کہ یہ اچھال چھکا دھندہ کرتی ہے۔بے شرم تم نے کبھی پوچھا

نہیں اس رنڈی سے کہ کس آفس میں کام کر رہی ہے۔ کیا
کام کر رہی ہے۔ کبھی اس کا آفس دیکھنے کی کوشش کی۔
تمہیں معلوم نہ تھا کہ یہ کتیا اپنے یار کے ساتھ میور وہار
میں رہتی ہے۔''

اس نے مکرم کی طرف دیکھ کر کہا:

''منشی جی! کیا نام بتایا تھا اس کا اس رنڈی نے۔''

مکرم نے سر جھکا کر کہا:

''آشیش۔''

''ہاں آشیش۔''

اس نے ایک اور تھپڑ محمد شعبان کے منہ پر مارا:

''بھوسڑی کے! آگ اور پھونس کو ایک جگہ رہنے دو گے تو
شعلے تو بھڑکیں گے ہی۔ شرما جی! نہ دیکھو ہم پولیس میں نوکری
کر کے مانو پرندے کے چوگے پر گزارا کر رہے ہیں اور یہ
بھڑوے کیسے اپنی بیٹیوں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ مکرم اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس نے لیڈی اہلکار سے کہا:

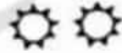
''لے جاؤ کوشل کو۔''

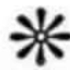
خود اس نے محمد شعبان کو سہارا دے کر کمرے سے باہر لایا۔

''مجھے معاف کرنا محمد شعبان۔ لیکن تمہاری بیٹی سے زیادہ
گناہ گار تم ہو۔ تم نے چار برساتیں ہم سے زیادہ دیکھی

ہیں۔تم کو ذرا بھی معلوم نہیں کہ زمانے کی ہوا کس رفتار سے چل رہی ہے۔اپنی پگڑی اپنے ہاتھ ہے۔ذرا سی چوک ہوئی تو پتہ نہیں کس کس کے پاؤں میں گر جائے۔آج کل بارہ برس کی بٹیا بر مانگے ہے۔تمہیں معاملے کو آگے ہی سمجھنا چاہیے تھا۔''

محمد شعبان نے گردن اٹھائی۔افق پر سرخی کی ایک لکیر پھیلی ہوئی تھی۔ایک اداس صبح کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔





رنڈی کی خرچی اور وکیلوں کا خرچہ پیشگی دیا جاتا ہے

چونکہ تینتیس ملزمین کی چارج شیٹ مرتب کرنے میں خاصا وقت لگ سکتا تھا اس لیے پولیس نے عدالت سے ملزمین کی ریمانڈ لیا۔ سولہ دن کے ریمانڈ کے بعد عدالت نے جوڈیشل ریمانڈ کی منظوری دی جس کے نتیجے میں دیگر ملزمین کے ساتھ کوشل خاتون کو بھی سینٹرل جیل منتقل کیا گیا۔ فردِ جرم عائد ہونے کے بعد ظرف النساء کو کوشل کی ضمانت کی فکر ہونے لگی۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں سے ناامید ہو کر شوہر کے پاس گئی۔ عورت کا پہلا ہتھیار اس کے آنسو ہوتے ہیں۔ سو جب وہ خوب آنسو بہا چکی تو شوہر کے آگے ہاتھ پھیلائے:

''مجھ سے اس بارے میں کوئی امید نہ رکھو ظرفو۔''

محمد شعبان نے صاف جواب دیا۔

''وہ جیے یا مرے میری بلا سے۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ شرم نام کی کوئی چیز ہوتی تھی۔ اگلے زمانے میں اسے عورت کا زیور سمجھا جاتا تھا۔ تمہیں اس معاملے میں مجھ سے مدد مانگنے میں شرم بھی نہیں آتی یا اپنی بیٹی کی طرح بیچ کھائی۔''

''اگلے زمانے میں ایک چیز ہوتی تھی باپتا۔ تم نے کیسے اس کا گلا کاٹ دیا۔''

ظرف النساء نے سوچا کہ یہ تیر نشانے پر بیٹھے گا۔ مگر اولاد کے کرتوت سے جب بھرے بازار میں باپ کی عزت اتر جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ ایسی اولاد سے بے اولاد ہونا ہی بہتر ہے۔ باپ کا دل سرد ہو چکا تھا۔ اس کے جذبات پر پالا پڑ گیا تھا:

''اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا ہے۔ اگر وہ بھی تمہاری طرح بندوں پر کٹھور بن جائے تو قیامت کے دن کسی کی مغفرت نہ ہوگی۔ ایسا کر کے اپنے آپ کو گناہ گار مت بناؤ۔''

ظرف النساء کو لگا کہ شاید یہ حربہ کامیاب ہو جائے۔ محمد شعبان بولا:

''میں قیامت کے دن اپنے اللہ سے سب گناہوں کی معافی مانگوں گا سوائے ایک گناہ کے اور وہ گناہ یہ ہے کہ میں نے ایسی اولادیں پیدا کی ہیں۔ یا کیا پتہ یہ گناہ بھی مجھ سے نہ ہوا

ہو۔"

"بس کرو بس۔"

ظرف النساء کانوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھی۔



کورٹ کمپلکس میں داخل ہوتے ہی ظرف النساء پر عجیب دہشت طاری ہوئی۔ ایک وسیع و عریض اجڑے ہوئے لان میں درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے ہوئے مرد اور عورتیں جیسے دنیا جہان سے بیزار لگتے تھے۔ کچھ مجرموں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی تھی۔ انہیں پولیس والے کورٹ کی طرف ہانک رہے تھے۔ گیٹ کی بائیں طرف وکیلوں کے چیمبر تھے۔ آشیش منہ اٹھا کے ان کے دروازوں پر لٹکتی نام کی تختیاں پڑھتے پڑھتے جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا:

"میرا بیٹا وکیل بنے گا۔"

رگھوناتھ نے اپنے پانچ سال کے بیٹے کی جرح سن کر کہا:

"دیکھا کس چالاکی سے تمہاری ہر بات کو غلط ثابت کیا۔"

اس نے اپنی بیوی کی ساڑی کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔ بیوی

نے پلو چھڑاتے ہوئے کہا:

''تمہاری دیکھا دیکھی یہ اب میرے پلو سے ناک صاف کرنے لگا ہے۔اور ہاں یہ بتاؤ وکیل کیوں بنے گا؟ جج کیوں نہیں؟''

''اری بھاگوان! وکیل ہی جج بن جاتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''تم یہ نہیں سمجھو گی۔ جاؤ میری چھتری لے آؤ۔ لگتا ہے برسات ہوگی۔''

پھر آشیش کے جیون میں کئی برساتیں ہوئیں۔ اور ایک دن باپ نے اپنی چھتری اس کے سر پر رکھی اور کہا:

''دیکھو بیٹا! اب تمہاری پڑھائی کے لیے میرے پاس بیچنے کے لیے کچھ نہیں بچا۔''

اس نے رومال میں لپٹے ہوئے اپنی بیوی کے کنگن کھول کے دکھائے:

''میرا سپنا تھا کہ تم وکیل بن جاؤ مگر____''

پھر ایک دن وہ آیا جب ساکشی ماں باپ کی لاٹھی بن گئی۔ دونوں کی آنکھوں میں موتیا بند اترا تھا۔ آپریشن کے لیے پیسے نہ تھے۔ الہ آباد کی ایک فائنانس کمپنی کے کال سنٹر میں پندرہ ہزار کے جاب کے لیے انٹرویو دیا۔ ہیومن ریسورس ایگزیکٹیو نے کمرے میں بلا کر کہا:

''تمہاری نوکری پکی سمجھو۔ مگر ایک بار باس سے مل

لو۔شام کوان کے کوارٹر پر میں لے کر جاؤں گا۔''

شام کو ہیومن ریسورس ایگزیکٹیو منوج ساکشی کو باس کے کوارٹر پر چھوڑ کے چلا گیا تو باس نے پوچھا:

''سگرٹ پیتی ہو؟''

''نہیں سر!''

''دارو؟''

''جی نہیں۔ مجھے کیوں بلایا ہے سر؟''

باس نے سگرٹ جلایا۔ ٹیشو پیپر سے منہ صاف کر کے اسے پھینک دیا۔ بولا:

''پندرہ تاریخ کو تم میرے ساتھ دو دن کے لیے نینی تال آ رہی ہو۔''

ساکشی ایک لمحے میں اس کی نیت اور ارادہ سمجھ گئی۔ آدمی زمانے کی ٹھوکریں کھاتا ہے تو ہی اس کے عقل کے دانت نکل آتے ہیں پھر وہ ہر تلخی کو اچھی طرح چبا کر تھوکتا ہے۔ ویسے ہی جیسے باس لوگ ٹیشو پیپر استعمال کرنے کے بعد پھینکتے ہیں:

''مگر سر اس دن تو میرے پیریڈس آنے والے ہیں۔''

اس نے تلخی کو چبایا:

''کوئی بات نہیں پیریڈس کے بعد۔ میں منوج سے کہہ دوں گا وہ تمہارا آرڈر نکالے گا۔ کل سے تم جاب جوائین کرو۔

مبارک ہو___"

اس نے ایش ٹرے میں سگرٹ کو مسلتے ہوئے کہا۔

ساکشی نے جوائین تو کیا مگر اس کے پیریڈس ایک مہینے تک ختم نہیں ہوئے۔ چرن سنگھ سمجھ گیا کہ اس کے ہاتھ سے ٹیشو پیپر نکل گیا:

"سر میری سیلری کیوں بند ہے؟"

اس نے منوج سے پوچھا:

"ساکشی تمہارا ٹارگیٹ پورا نہیں ہوا۔"

ساکشی سمجھ گئی کہ چوہے دان کی کمانی اٹھائی گئی ہے۔ اس نے رات کو اپنی سہیلی کو فون پر سب سنایا۔ وہ بولی:

"تم کیا سمجھتی ہو کہ ایک بار کمپرو کرنے کے بعد تمہارا ٹارگیٹ پورا ہوگا۔ تمہارا ہر ٹارگیٹ باس کے بستر پر ہی پورا ہوگا۔ پندرہ ہزار کے جاب کے لیے تمہیں کتنی بار ڈسٹ بن میں پھینکا جائے گا اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔ fuck it yar! اگر یہی کرنا ہے تو دن کے پندرہ ہزار کماؤ۔"

دو دن بعد وہ نوئیڈا کے لیے روانہ ہوئی۔

چھے مہینے میں حالات بدل گیے۔ ساکشی نے دہلی میں فلیٹ کرایہ پر لیا۔ ماں باپ کا آپریشن کروایا۔ رگھوناتھ کی دکان پھر سے چلنے لگی۔ مکان کی مرمت ہوئی۔ آشیش بہن کے پاس شفٹ ہو گیا:

"سچ کہتے ہیں بیٹی گھر کی لکشمی ہوتی ہے۔"

رگوناتھ نے چمچماتی واش بیسن پر ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ ان کی لکشمی کی پوتر تا کو دن میں کتنی بار کنڈوم میں نچوڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا جا رہا ہے۔

''وکیل چاہیے؟''

ایک ایجنٹ نے آشیش کے شانے جھنجھوڑ کر پوچھا۔ وہ جیسے گہری نیند سے جاگ گیا:

''ہاں وکیل کرنا ہے۔''

وکیل نے جب کیس سنا تو سر دھنتے ہوئے کہا:

''کیس بڑا سنگین ہے۔ ضمانت ہونا مشکل ہے۔ ایسے Cases کے بارے میں جج صاحبان کو ایلرجی ہوتی ہے۔ کیا کریں ہمارا سماج ہی ایسا ہے۔ کوئی Sex Worker کے پاس جاتا ہے تو کسی کے پاس وہ آتی ہے۔ بڑے نام والے لوگ کلب میں رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اسے اونچی سوسائٹی والے کلچر کہتے ہیں۔ پھر بھی کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے۔''

ایجنٹ نے باہر بلا کر وکیل کی فیس مانگی تو ظرف النساء بولی:

''بھیا! دے دیں گے۔ ہم کون سے بھاگے جا رہے ہیں۔''

اس پر ایجنٹ بولا:

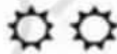
''ناں ناں ماں جی! رنڈی کی خرچی اور وکیلوں کا خرچہ

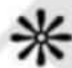
پیشگی دیا جاتا ہے۔''

اس نے آشیش سے مخاطب ہو کر کہا:

''کیوں بھائی! اگر وہ پہلے نہ لیں تو انہیں بعد میں کون دیتا ہے؟''

ظرف النساء کو لگا جیسے ایجنٹ نے اس کے منہ پر ایک موٹی گالی تھوک دی۔ آشیش نے وکیل کا خرچہ اپنی جیب سے ادا کیا۔ وکیل نے ضمانت کے کاغذات تیار کیے اور بحث کے لیے تاریخ مقرر ہو گئی۔





عدالت ملک کی
لاجونتیوں کو کیا جواب دے گی۔

کورٹ روم میں بھیڑ بھڑ کا دیکھ کر ظرف النساء بھونچکی رہ گئی۔ اسے لگا جیسے ہر آنکھ اس کو ہی دیکھ رہی ہے:

''ہائے اللہ! یہ آنکھیں مجھ سے کیا پوچھ رہی ہیں؟''

ہر آنکھ وکیل کی طرح جرح کر رہی تھی۔

''تمہارا نام؟''

''ظرف النساء۔''

''تم کوشل خاتون عرف پریا کی ماں ہو۔''

''جی!''

اس کا پورا جسم پسینے میں ڈوب گیا:

''رتا! ہمار دوپٹا دیہہ۔''

(رتا! میرا دوپٹا دینا۔)

وہ کنارے سے کچھ دور پانی میں اکڑوں بیٹھی گردن ہلا ہلا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ رتا نے دوپٹہ پکڑایا:

''اب نکل آوٴ۔ کا پتہ کب کونو مردوا اینے آ جائی۔''

(اب نکل بھی آوٴ۔ کیا پتہ کب کوئی مردوا اس طرف نکل پڑے۔)

''ظرفو! اندھیارا کے چادر اوڑھ کے ندی میں نہاوٴ۔ خدا اور فرستہ لوگ دیکھت رہے۔ اور پھر جنات لوگ الگ۔''

(ظرفو! اندھیرے کی چادر اوڑھ کے ندی میں نہایا کرو۔ خدا اور اس کے فرشتے دیکھتے ہیں۔ اور پھر جنات الگ۔)

محمد شعبان کے لہجے میں ناراضگی تھی:

''گرمی برادس نہ بھئل۔ پسینہ بے حال کر دیلے رہل۔''

(گرمی برداشت نہ ہوئی۔ پسینے نے بے حال کر دیا تھا۔)

''کوشل خاتون عرف پریا کی طرف سے کون وکالت کر رہا ہے؟''

وہ چونک گئی۔ جج صاحب اپنی کرسی پر براجمان ہو چکے تھے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اب اسے کوئی نہیں گھورتا تھا۔ اب سب نظریں کٹہرے میں کھڑی کوشل خاتون پر ٹکی تھیں۔ اس نے چلّا کر کہنا چاہا:

''میری بیٹی کو مت گھورو۔ مجھے دیکھو۔''

''جناب میں کوشل خاتون عرف پریا کی طرف سے وکالت کر رہا ہوں۔''

ایڈووکیٹ چندر بھان شرما نے وکالت نامہ جج صاحب کے اردلی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

جج صاحب نے وکالت نامہ دیکھ کر کہا:

''Sharma ji! please proceed.''

''Thank you me lord!''

شرمانے ٹیبل سے کیس کی فائل اٹھا کر کہا:

''جناب! اکتیس جون کی شام کو اس سپا پر پولیس چھاپہ مارتی ہے جس میں میری موکلہ مس کوشل خاتون کام کرتی تھی۔ پولیس نے اپنی چارج شیٹ میں دعویٰ کیا ہے کہ اس سپا میں مساج کی آڑ میں جسم فروشی کا دھندہ چلتا تھا۔ اور پولیس نے یہ کاروائی مقامی لوگوں کی شکایت پر کی ہے۔ جناب! یہ سپا کئی برسوں نے چلا آرہا تھا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ان برسوں میں مقامی لوگوں کو اس طرح کی شکایت کرنے سے کس چیز نے روکا تھا۔ جناب! حقیقت یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے دشمنی کی بنا پر یہ شکایت کی ہے۔ اس دشمنی کی وجہ کیا ہے اس کے بارے میں ابھی تفصیل سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جناب! کسی لڑکی کا سپا میں کام کرنا

قانونی طور پر کوئی جرم نہیں۔''

سرکاری وکیل نے اعتراض کیا:

''Objection your honour!''

جج نے اعتراض کو رد کرتے ہوئے کہا:

'' Objection over ruled. گپتا جی پہلے شرما جی کی دلیل سنتے ہیں۔''

جج نے شرما سے کہا:

''جی شرما جی! آپ کیا کہہ رہے تھے۔''

''جناب میں یہ کہہ رہا تھا کہ کسی سپا میں ایک لڑکی کا کام کرنا کوئی جرم نہیں۔''

اس نے کٹہرے میں کھڑی کوشل خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''جناب! یہ لڑکی جو کٹہرے میں کھڑی ہے اس کا تعلق ایک غریب خاندان سے ہے۔ اس معصوم لڑکی نے بارہویں کا امتحان پاس کرنے کے بعد اپنے گھر کی مالی حالت سدھارنے کے لیے سپا میں کام کرنا شروع کیا۔ میں عدالت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایسا کر کے میری موکلہ نے کون سا پاپ کیا ہے۔ رہی بات پولیس کے دعوے کی تو اس پر بحث کی جا سکتی ہے۔ مگر جناب! جب تک کیس کی

باضابطہ شنوائی شروع ہو جاتی ہے میں عدالت سے
درخواست کرتا ہوں کہ میری موکلہ کی کم عمری کو نظر میں
رکھتے ہوئے اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔ That is all
"your honour

جج نے کچھ دیر فائل پر لکھا۔ پھر چشمہ اتار کر سرکاری وکیل اندر جیت
گپتا کی طرف دیکھا:

"Gupta ji! you may proceed now"

"Thank you your honour!"

گپتا نے نیک ٹائی درست کی۔ وہ اپنی دلیل پیش کرنے لگا:
"جناب! میرے فاضل دوست شرما جی نے درست کہا
کہ کسی لڑکی کا سپا میں کام کرنا قانونی طور پر کوئی جرم نہیں۔
مگر جناب جس سپا سے ملزمہ کو گرفتار کیا گیا ہے وہ کسی
لائسنس کے بغیر چلایا جا رہا تھا۔"

یہ سن کر شرما نے اعتراض کیا:

"Objection your honour."

جج نے کہا:

"Objection sustained."

شرما بولا:
"جناب! اگر کوئی آفس لائسنس کے بغیر چلایا جا رہا ہے تو

اس کی ذمہ داری انتظامیہ پر عائد ہوتی ہے نہ کہ ملازموں پر۔"

گپتا بولا:

My Lord! the spa where from the girls "

were arrested was in fact a brothel. ٹھیک ہے

جناب! میں ملزمہ سے کچھ سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"Go on."

جج نے کہا۔

گپتا کٹہرے کے پاس گیا۔اس نے کوشل خاتون سے پوچھا:

"تمہارا نام؟"

"کوشل۔"

کوشل نے گھبراتے ہوئے کہا:

"نہیں پورا نام بتاؤ۔"

گپتا نے لفظ پورا کو کھینچتے ہوئے کہا:

کوشل بولی:

"کوشل خاتون۔"

گپتا نے پوچھا:

"سپا میں تم کس نام سے کام کر رہی تھیں۔"

کوشل کچھ دیر خاموش رہی۔گپتا چلایا:

''عدالت جاننا چاہتی ہے کہ سپا میں تم کس نام سے کام کر رہی تھیں؟''

کوشل نے جج کی طرف دیکھ کر مدہم آواز میں کہا:

''جی! پریا کے نام سے۔''

''اونچی آواز میں بولو کہ کس نام سے تم سپا میں کام کر رہی تھیں؟''

کوشل نے آواز اونچی کر کے کہا:

''جی! پریا شرما کے نام سے۔''

''وجہ؟''

گپتا نے پوچھا:

''کیا تم اس عدالت کو اس کی وجہ بتا سکتی ہو۔''

کوشل خاموش رہی۔ جج بولے:

''کوشل خاتون! تم سے کچھ پوچھا جا رہا ہے۔ جواب دو۔''

کوشل خاتون نے جج کی طرف دیکھ کر کہا:

''جی سپا میں کام کرنے والی لڑکیوں کے نام بدل دیے جاتے ہیں۔''

گپتا نے جج سے مخاطب ہو کر کہا:

''That is the point your honor.''

ورنہ کون سا ایسا آفس ہے جہاں کام کرنے والے ملازموں کے نام بدل دیے جاتے ہیں۔''

گپتا نے کوشل سے پوچھا:

''مس کوشل! کورٹ کو یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے گھر والوں کو اس بات کا علم تھا کہ تم سپا میں کام کر رہی ہو؟''

''جی نہیں۔''

وکیل نے پوچھا:

''تم نے ان سے کیا کہا تھا؟''

''میں ایک بیوٹی پارلر میں کام کر رہی ہوں۔''

کوشل نے کرسی پر بیٹھی اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وکیل نے پوچھا:

''اچھا کوشل! یہ بتاؤ تم نے Physiotherapy کا کوئی کورس کیا ہے، کوئی ڈپلوما کیا ہے، کوئی ڈگری لی ہے؟''

کوشل پریشان نظروں سے چھت کو دیکھنے لگی۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی:

''جی مجھے یہ سب معلوم نہیں۔''

وکیل نے وضاحت کی:

''میرے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مالش کرنا کہاں سے سیکھا ہے؟''

کوشل بولی:

''سر کہیں سے نہیں۔''

وکیل نے جج صاحب سے مخاطب ہو کر کہا:

"Point to be noted your honour!"

وکیل نے سوال کیا:

''کوشل! یہ بتاؤ تمہیں سپا میں کام کرنے کی کیا سیلری ملتی تھی؟''

''جی کچھ نہیں۔ بس کوئی کلائنٹ ٹپ دیتا تھا۔''

وکیل نے سوال کیا:

''مس کوشل! یہ بتاؤ کہ تم روز دہلی سے نوئیڈا سفر کرتی تھیں یا____''

کوشل نے وکیل کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

''جی نہیں میں نے مهیو رو ہار میں ایک فلیٹ رینٹ پر لیا تھا۔''

وکیل نے پوچھا:

''تمہارے ساتھ کوئی اور بھی رہتا تھا۔ مطلب کوئی روم پارٹنر؟''

کوشل بولی:

''جی میرا بوائے فرینڈ میرے ساتھ رہتا تھا۔''

''اس بات کا علم تمہارے گھر والوں کو تھا؟''

وکیل نے سوال کیا۔ کوشل بولی:

''جی نہیں۔''

''مس کوشل خاتون! یہ بتاؤ کہ جب پولیس نے سپا پر چھاپہ مارا تم اس وقت کہاں تھیں اور کیا کر رہی تھیں؟''

''جی میں اس وقت واش روم میں تھی۔''

کوشل نے جواب میں کہا:

وکیل چلایا:

''جھوٹ بول رہی ہو تم۔''

''Objection your honour. میری موکلہ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔''

شرما نے کرسی سے اٹھ کر اعتراض کیا۔ جج بولے:

''Objection over ruled.''

گپتا نے جج سے مخاطب ہو کر کہا:

''جناب! کوشل خاتون سے مزید پوچھنے سے پہلے میں سپا میں کام کرنے والے ہاؤس کیپر گوپال کو کٹہرے میں بلانا چاہتا ہوں۔''

جج نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اجازت دی۔ گوپال کٹہرے میں کھڑا ہوا تو گپتا نے گلا کھنکار کر پوچھا:

''نام؟''

''جی گوپال سنگھ۔''

وکیل نے پوچھا:

''گوپال سنگھ تم کہاں کے ہو اور اس سپا میں تم کتنی دیر سے کام کر رہے تھے؟''

''جی میں بلند شہر کا ہوں اور اس اسپا میں لگ بھگ دو برسوں سے کام کر رہا تھا۔''

''گوپال! عدالت کو یہ بتاؤ کہ جس وقت پولیس نے چھاپہ مارا اس وقت تم کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے؟''

گوپال نے جج کی طرف دیکھ کر کہا:

''جی میں آفس میں اپنا کام کر رہا تھا۔''

''گوپال!''

وکیل نے پوچھا:

''تمہیں سپا میں کتنی سیلری ملتی تھی؟''

''جی پانچ ہزار۔''

گوپال بولا۔ وکیل نے پوچھا:

''صرف پانچ ہزار روپے۔ اس مہنگائی کے دور میں ان سے کیسے گزارا کرتے تھے؟''

گوپال چپ رہا۔ وکیل نے اس کے پاس جا کر پوچھا:

''عدالت جاننا چاہتی ہے کہ صرف پانچ ہزار میں تمہارا گزارا کیسے ہوتا تھا۔''

اس پر شرما نے اعتراض کیا:

''جناب گوپال کس طرح سے پانچ ہزار پر گزارا کرتا تھا یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے اور اس بات کا میری موکلہ کی ضمانت

سے کوئی تعلق ہے۔''

جج نے اعتراض منظور کیا:

''گپتا جی! صحیح ہے۔اس بات کا ضمانت کی عرضی سے کیا تعلق ہے؟''

گپتا نے ٹیبل سے فائل اٹھا کر کہا:

''جناب! اس بات کا کوشل خاتون کی ضمانت کی عرضی سے تعلق ہے۔''

پھر اس نے کوئی کاغذ دیکھ کر گوپال سے پوچھا:

''گوپال! پولیس کی چارج شیٹ کے مطابق چھاپے کے دوران تمہاری تحویل سے تمہاری ہی نشاندہی پر ایک سو پچیس کنڈوم برآمد ہوئے۔ کیا تم عدالت تو یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے اتنی بڑی تعداد میں کنڈوم اپنے پاس کیوں رکھے تھے۔ اور ہاں گوپال! عدالت کو جھوٹ بول کر گمراہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ جھوٹ بولو گے تو میں ابھی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے عینی گواہ پیش کروں گا۔''

گوپال کا چہرہ زرد ہو گیا۔ وہ جج کی طرف منہ کر کے بولا:

''حضور! یہ بات سچ ہے۔''

''شاباش!''

شرما نے کٹہرے کے قریب جا کر پوچھا:

''اب تم عدالت کو تفصیل سے یہ بتاؤ کہ یہ کنڈوم کیسے استعمال ہوتے تھے۔''

گوپال نے کہنا شروع کیا:

''جناب! جب کسی کمرے سے کوئی تھرپیسٹ مجھے فون کرتی تھی تو میں سمجھ جاتا تھا کہ اس نے کلائنٹ کو آمادہ کیا ہے۔ تب میں دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر کنڈوم اسے پکڑواتا۔ جس کے بدلے میں مجھے ایک سو روپے ملتے تھے۔''

وکیل نے پوچھا:

''او کے! گوپال یہ مجھے سمجھاؤ کہ کلائنٹ کو آمادہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟''

گوپال نے جواب میں کہا:

''جناب! مساج کرنے کے بعد اکثر لڑکیاں کلائنٹ سے اکسٹرا سروس کے لیے پوچھتی ہیں۔''

''یہ اکسٹرا سروس کیا ہوتی ہے؟''

وکیل نے پوچھا:

''جناب! اکسٹرا سروس تین طرح کی ہوتی ہے۔ بی ٹو بی، ہینڈ جاب اور سیکس۔''

''یہ بی ٹو بی اور ہینڈ جاب کیا ہوتا ہے؟''

وکیل نے پوچھا۔ اس پر شرما نے اعتراض کیا:

''Objection your honour عدالت میں عورتیں موجود ہیں۔ایسی ننگی باتوں کے بارے میں پوچھ کر وکیل صاحب کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔''

''Objectio sustianed.''

جج نے کہا:

''عدالت کے تقدس کا خیال رکھا جائے۔''

شرما نے سر جھکا کر کہا:

''Sorry your honour.''

اس نے گوپال کی طرف مڑ کر پوچھا:

''گوپال! یہ بتاؤ کہ کیا ایسا ہر بار ہوتا تھا؟''

گوپال بولا:

''نہیں سر! اکثر لڑکیوں کے بندھے کلائنٹ آتے تھے۔ایسی صورت میں وہ پہلے ہی کنڈوم اپنے ساتھ لیتی تھیں۔''

''اچھا گوپال! یہ بتاؤ۔''

اس نے کوشل خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا:

''کوشل خاتون عرف پریا کے بھی بندھے گاہک تھے؟''

''جی ہاں۔''

گوپال نے جواب میں کہا:

''اکثر پریا دیر سے آتی تھی اور اس کے کلائنٹس کو انتظار کرنا

پڑتا تھا۔اس کے لیے اسے کئی بار منیجر نے ڈانٹا بھی ہے۔''

''تمہارے خیال میں کوشل خاتون عرف پریا کے کتنے ریگیولر کلائنٹ تھے؟''

وکیل نے پوچھا۔گوپال بولا:

''جی میرے خیال میں یہی کوئی دس بیس۔''

وکیل نے جج سے کہا:

''Point to be noted your honour!''

''اچھا یہ بتاؤ گوپال! جس وقت پولیس نے سپا پر چھاپہ مارا اس وقت کوشل یعنی پریا کہاں تھی؟''

گوپال بولا:

''جی وہ اپنے ایک ریگیولر کلائنٹ کے ساتھ کمرے میں تھی۔اس نے کمرے میں جانے سے پہلے ہی کلائنٹ کا نام پوچھا اور مجھ سے کنڈوم لیا۔پولیس کے کہنے پر میں نے ہی اس کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی جس میں یہ اپنے کلائنٹ کے ساتھ تھی۔اس نے پوچھا کون؟ جب میں نے اپنا نام بتایا تو اس نے تھوڑا سا دروازہ کھولا اور لیڈیز پولیس اندر داخل ہوگئی۔اندر یہ دونوں قابلِ اعتراض حالت میں تھے۔''

''گوپال تم جا سکتے ہو۔''

شرمانے جج سے مخاطب ہوکر کہا:

''جناب! اب مجھے ایک اہم گواہ کو جو کوشل خاتون کا بوائے فرینڈ ہے .Witness box میں بلانے کی اجازت دی جائے۔''

جج نے اجازت دی۔ آشیش خود بخود کرسی سے اٹھ کر کٹہرے میں کھڑا ہوا:

''آشیش!''

وکیل نے پوچھا:

''تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''

آشیش بولا:

''جی میں الہ آباد سے تعلق رکھتا ہوں۔''

وکیل نے پوچھا:

''کوشل خاتون اور تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

آشیش نے جج کی طرف دیکھ کر کہا:

''جی وہ میری گرل فرینڈ ہے۔''

''کہاں ملے تم دونوں؟''

وکیل نے پوچھا:

آشیش بولا:

''جی یہ مجھ سے میری دیدی کے فلیٹ پر ملی۔ اور کچھ ہی

دنوں میں ہم میں دوستی ہوگئی۔''

وکیل نے پوچھا:

''کوشل خاتون تمہاری دیدی کو جانتی تھی؟''

آشیش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیسے؟''

وکیل نے پوچھا:

آشیش بولا:

''یہ دونوں کسی سہیلی کی شادی میں ملی تھیں۔ کوشل میری دیدی سے اکثر جاب کی باتیں کیا کرتی تھی۔ دیدی نے ہی اسے اسپا میں جاب کرنے کی صلاح دی تھی۔ اور اس اسپا کا پتہ بھی دیا تھا۔ بلکہ اس کے منیجر سے بھی بات کی تھی۔''

وکیل نے سوال کیا:

''کیا تمہیں معلوم تھا کہ اس اسپا میں کیا ہورہا ہے؟''

''جی ہاں۔''

''کیسے معلوم ہوا تھا؟''

وکیل نے پوچھا:

آشیش بولا:

''ایک دن میں خود ایک اسپا میں گیا اور میرے ساتھ بھی وہی ہوا جو ابھی گوپال نے کہا۔ اس دن میں نے کوشل سے

اسپا کی نوکری چھوڑنے کی بات کہی مگر وہ مجھ سے بھڑ گئی اور ہم نے کئی دِن تک ایک دوسرے سے بات نہیں کی۔ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ بہت کوشش کی میں نے کہ میں اس سے بریک اَپ کروں مگر میرا دل نہیں مانا۔ پھر میں نے اس بات سے کمپرومائز کیا۔ جاب جوائن کرنے کے بعد کوشل نے مجھ سے کہیں آس پاس ہی فلیٹ ڈھونڈنے کے لیے کہا۔ فلیٹ ملا تو میں بھی وہیں شفٹ ہو گیا۔"

"آشیش!"

وکیل نے پوچھا:

"کیا تم اس عدالت کو بتا سکتے ہو کہ تم دونوں کا رشتہ کیا تھا؟"

آشیش نے کہا:

"Sir we were in a live-in relation."

"مطلب یہ کہ جس طرح شادی کے بعد میاں بیوی رہتے ہیں؟"

"جی ہاں!"

آشیش نے جواب میں کہا۔

"آشیش! لینڈ لارڈ کا کہنا ہے کہ تمہیں چھوڑ کے کئی مرد کبھی کبھی تمہارے فلیٹ پر آتے تھے۔ کیا تمہارے دوست ـــــ"

آشیش نے وکیل کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

''سر نہیں۔ میرا کوئی دوست نہیں آتا تھا۔ جس دن کوشل یہ جان گئی کہ مجھے سب باتوں کا علم ہوا ہے اس کے بعد کبھی کبھی رات کے لیے اس کا کوئی کلائنٹ آتا تھا۔''

''اچھا؟''

وکیل نے پوچھا:

''تم منع نہیں کرتے تھے؟''

آشیش نے پہلے کوشل کی طرف دیکھا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہا۔

پھر بولا:

''جی نہیں۔ کوشل کی شرط تھی کہ میں اس کو اسپیس دوں۔ اس کے نجی معاملوں میں دخل نہ دوں۔''

وکیل نے پوچھا:

''جس رات کوشل کا کوئی کلائنٹ آتا تھا اس رات تم کیا کرتے تھے؟''

''جی پہلے ہم تینوں دارو پیتے تھے۔ پھر میں چپکے سے دوسرے کمرے میں سو جاتا تھا۔''

آشیش نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ آشیش! تمہیں ذرا بھر جلن نہیں ہوتی تھی؟''

وکیل نے سوال کیا۔

آشیش بولا:

''پہلے پہلے ہوتی تھی۔ پھر جب میں نے سمجھا کہ یہ گھناؤنا کھیل ہر کہیں چل رہا ہے اور ہر کوئی کسی نہ کسی طرح سے اس میں شامل ہے تو میں نے بھی اپنے آپ کو اس کا حصّہ بنا دیا۔ اس سے میری انتر آتما مر گئی اور میں یہاں تک گر گیا کہ کوشل کے کلائنٹس کو چوک پر لینے جاتا تھا۔ کبھی کبھی تو کوئی کلائنٹ سویرے جگا کر مجھے ٹپ بھی دیتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ عشق مجھے بھڑوا بنا دے گا۔''

اس کی آواز بھاری ہو گئی۔ کوشل خاتون اس کی طرف پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''آشیش! یہ بتاؤ اس دن کیا ہوا جس دن کوشل یعنی پریا سپا میں پکڑی گئی؟''

آشیش نے سرد آہ بھر لی اور کہا:

''جی کوشل نے مجھے فون کرنے کو منع کیا تھا۔ وہ لگ بھگ ساڑھے نو بجے فری ہو جاتی تھی۔ پھر کیب میں یا کسی کلائنٹ کی کار میں بیٹھ کر مجھے فون کر کے بتاتی تھی کہ میں آ رہی ہوں۔ اس بیچ میں یا تو باہر سے کھانا منگواتا تھا یا پھر خود پکانے لگتا۔ اکثر وہ دارو پی کر آتی تھی۔ اس بات پر ہم میں جھگڑے بھی ہوتے تھے۔ اس دن جب دس بجے تک

کوئی فون نہ آیا تو میں نے فون لگایا۔ کوشل کا فون بند آرہا
تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ شاید بیٹری ختم ہوگئی ہوگی۔ مگر
جب رات کے گیارہ بج گیے تو مجھے فکر ہونے لگی۔ ساری
رات نیند نہیں آئی۔ پھر صبح سویرے دیدی کو فون کیا اور
کوشل کے بارے میں پوچھا تو اسے بھی فکر ہونے لگی۔
میں فوراً دیدی کے فلیٹ پر گیا۔ دیدی کے پاس کوشل کی
ماں کا نمبر تھا۔ دیدی کئی بار ان کے نمبر پر ٹرائی کر چکی تھی مگر
وہ بھی سوئچڈ آف آرہا تھا۔ دو دن گزر گیے مگر کوشل کے
بارے میں کچھ معلوم نہ ہوا۔ پھر میں سیکٹر 18 میں گیا۔ میں
نے سوچا کہ سپا جا کر کسی سے پوچھوں گا مگر سارے سپا بند
تھے۔ پھر ایک پان والے سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ
پولیس نے چھاپا مار کر کئی لڑکیوں کو حراست میں لیا ہے۔
میں فوراً پولیس اسٹیشن گیا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ کوشل بھی
پکڑی گئی ہے اور اسے دوسری لڑکیوں کے ساتھ کورٹ
میں پیش کرنے کے لیے لیا گیا ہے۔ یہ سن کر مجھے صدمہ ہوا
اور میں نے دیدی کو فون پر یہ سب بتا دیا۔ دیدی نے کہا
فوراً واپس آجاؤ۔''

آشیش جذباتی ہوگیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنے آنسو
پونچھے:

''سوری!''

وکیل نے آشیش کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ پوچھا:

''آشیش! کیا تمہارے خیال میں کوشل Libertarian ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

آشیش بولا۔ وکیل نے وضاحت کی:

"Is Koshal Khatun an advocate of the doctrine of free will and indivisual liberty?"

آشیش:

''Yes, ofcource!''

وکیل نے پوچھا:

" Does she suffer from sex addiction?"

"I think so."

آشیش نے جواب میں کہا۔

وکیل نے جج سے مخاطب ہو کر کہا:

"Your honour! this is a case of sexual dependence. Koshal Khatun is suffering from acute hypersexual disorder."

پھر وہ آشیش سے مخاطب ہوا:

''آشیش! یہ بتاؤ کہ کوشل کا behaviour کیسا ہے۔ I

‘‘mean any deppression and anxuity etc. etc.?

‘‘Yes, I think so’’

آشیش نے کوشل کی طرف دیکھ کر کہا۔وکیل نے ایک اور سوال پوچھا:

’’آشیش! کوشل کتنے دنوں کے بعد گھر جاتی تھی؟‘‘

آشیش بولا:

’’کبھی نہیں۔ بلکہ اسے گھر سے اور گھر والوں سے سخت چڑ ہے۔‘‘

‘‘Your honour! that is the point.’’

وکیل نے جج سے مخاطب ہو کر کہا:

Sufferers of hypersexual disorder tend to be ’’ socially isolated and have personality traits like insecurity, trouble with relationship stability and intimacy. جناب! میں کوشل خاتون عرف پریا کو پھر سے وٹنس باکس میں بلانے کی اجازت چاہوں گا۔‘‘

جج نے اجازت دی۔اور کوشل خاتون کٹہرے میں کھڑی ہو گئی۔وکیل نے پوچھا:

’’کوشل خاتون یا پریا تم سوشل میڈیا کا استعمال کرتی ہو؟‘‘

’’جی میں سمجھی نہیں۔‘‘

کوشل نے کہا۔

وکیل نے پوچھا:

''کیا تمہارا کوئی فیس بک یا انسٹا گرام اکاؤنٹ ہے؟''

کوشل نے جواب دیا:

''جی نہیں۔''

وکیل نے چلا کر کہا:

''کوشل خاتون! تم عدالت سے جھوٹ بول رہی ہو۔''

اس پر گپتا نے اعتراض کیا:

''Objection my lord میری موکلہ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔''

''Objection sustained''

جج نے شرما سے کہا:

''شرما جی! آپ اب Conclude کیجیے۔''

شرما نے ٹیبل سے ایک فائل اٹھائی۔ اس میں سے کچھ کاغذ نکالے۔ انہیں ترتیب سے رکھ کر بولے:

''جناب! ہمارے ملک نے آزادی کے بعد زندگی کے ہر میدان میں ترقی کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔ آج ہم سب بھارت واسی اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ پوری دنیا میں ہمارے ملک کو عزت اور وقار کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ملک میں موجود روزگار کے ذرائع کے مطابق اپنی آبادی کو محدود کرنے میں ناکام رہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی ہمارے ملک کا ایک بڑا مسئلہ

ہے۔اس مسئلے سے کئی مسائل پیدا ہو گیے جن میں سب سے سنجیدہ مسئلہ بے روزگاری کا ہے۔اس وقت ملک میں کروڑوں نوجوان بے روزگار ہیں۔ان بے روزگاروں میں بڑی تعداد ان کی ہے جن کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں ہیں۔ ہماری کتنی بے روزگار بیٹیاں شہروں میں گاؤں میں محنت مزدوری کر کے مشکل سے دو وقت کی روٹی کا انتظام کرتی ہیں۔ بڑی ڈگریاں ہونے کے باوجود ہماری بیٹیاں بڑے بڑے شہروں میں قلیل سیلری پر عزت اور وقار کے ساتھ سختیاں جھیلتی ہیں۔ جناب! اگر ہماری بیٹیاں شارٹ کٹ سے دولت کمانا شروع کریں گی تو ہمارے ملک کی لاجونتیوں نے جو عظیم روایت قائم کی ہے وہ ڈھ جائے گی۔

جناب! کسی بھی ہائے وے پر سفر کیجئے اور دیکھیے کہ ہمارے ملک کی بیٹیاں ٹھیلوں پر بیٹھی کہیں چائے بیچتی ہیں، کہیں کھلونے تو کہیں پھل۔ کھیتوں میں کارخانوں میں ہماری بیٹیاں روزگار کمانے کے لیے کس قدر محنت کرتی ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ وہ سماج میں وقار اور عزت کے ساتھ اپنے وجود کو قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ جناب ایک طرف ہمارے ملک کی یہ لاجونتیاں ہیں اور دوسری طرف کوشل خاتون جیسی لڑکیاں جو

لاج کی چوکھٹ پار کر کے شارٹ کٹ سے دولت کمانا چاہتی ہیں۔عیاشی کرنا چاہتی ہیں۔

جناب! کٹہرے میں کھڑی معصوم چہرے والی یہ لڑکی ایک سوچے سمجھے منصوبے کی تحت گھر سے دھن کمانے کے لیے نکلی ہے۔"

وکیل نے ایک کاغذ جج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"جناب! یہ کوشل خاتون کے بینک اکاؤنٹ کی ڈیٹیل ہے۔یہ بات غور طلب ہے کہ جو اکاؤنٹ دو ہزار روپے میں کھولا گیا اس میں صرف دس مہینوں میں ڈیڑھ لاکھ روپے کیسے جمع ہو گیے۔ایسا کون سا الاؤدین کا چراغ کوشل خاتون کے ہاتھ آیا جس سے جن نکل کر اپنی آقا کے حکم پر اتنا پیسہ لاتا رہا۔جناب! اس اکاؤنٹ سے لگ بھگ اسی ہزار روپے کوشل خاتوں کے رشتہ داروں کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہوئے ہیں۔جس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ کوشل کے گھر والے اس بات سے واقف تھے کہ وہ کس طرح کا کام کر رہی تھی۔جناب! کوشل خاتون طبیعت سے ایک عیاش لڑکی ہے۔جس کا ثبوت میں ابھی عدالت کے سامنے پیش کروں گا۔جناب! ابھی ابھی کوشل خاتون نے عدالت سے جھوٹ بولا ہے کہ اس کا

کوئی فیس بک یا انا سٹا گرام اکاؤنٹ نہیں ہے۔ جناب!
اس کے ایک نہیں بلکہ دو دو فیک اکاؤنٹ ہیں۔ ایک پریا
شرما کے نام سے اور دوسرا پراچی جیک کے نام سے۔
جناب ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں جو تصویریں پوسٹ کی گئی
ہیں ان کو دیکھ کر کون کہے گا کہ کوشل ایک درزی کی بیٹی
ہے۔"

وکیل نے اپنا موبائیل جج کی طرف بڑھایا۔ جج نے کوشل کے دونوں اکاؤنٹ کھولے اور تصویریں دیکھ کر کوشل کی طرف بار بار دیکھا۔

"اور جناب!"

وکیل نے جج سے موبائیل لے کر کوشل کا پراچی جیک والا انسٹا گرام والا اکاؤنٹ کھولا:

"جناب! کلب میں یہ جولڑکی مردوں کے سامنے مجرا کر
رہی ہے یہ کوئی اور نہیں کوشل خاتون ہے۔ اور دوسری ویڈیو
میں یہ جولڑکی سگرٹ پیتے ہوئے ٹھمکے لگا رہی ہے وہ کوئی
اور نہیں کوشل خاتون ہے۔ جناب! اگر ایسی لڑکی کی ضمانت
ہوتی ہے تو یہ کورٹ ان کروڑوں لاجونتیوں کو کیا جواب
دے گا جو محنت اور مشقت کر کے اپنے پریوار کا پیٹ پالتی
ہیں۔ اپنی لاج کی حفاظت کرتی ہیں۔ اپنی پرمپرا پر مرتی
ہیں۔ جناب! ہمارے دیس کی لاجونتیوں کی عزت پر

جب کسی نے اپنا ہاتھ ڈالا ہے تو انہوں نے یا تو وہ ہاتھ کاٹ کے پھینکا ہے یا پھر خودکشی کی ہے۔

آخر پر میں عدالت پر یہ بات چھوڑتا ہوں کہ وہ ملک کی لاجونتیوں کو کیا جواب دے گی۔ کیونکہ اگر کوشل خاتون کی ضمانت ہوگئی تو ان لڑکیوں کی حوصلہ شکنی ہوگی جو مشکل حالات میں اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں اور ان لڑکیوں کی حوصلہ افزائی ہوگی جو کوشل کی طرح دھن کمانے کی خاطر کسی بھی حد تک گر سکتی ہیں۔ اور جناب! اگر کوشل خاتون ضمانت پر رہا ہوئی تو اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ وہ اپنے سارے حربے استعمال کر کے شواہد سے چھیڑ چھاڑ کرے۔ because my lord! she was cought in a state of coitus. She is a courtesan, a prostitute with wealthy and upper class cleintele, if she is freed on bail there is every possibility that she may compromise with evidences. اس لیے عدالت سے میری درخواست ہے کہ ملزمہ کی ضمانت کی عرضی کو مسترد کیا جائے۔ That is all your honour.''

جج صاحب کچھ دیر فائل پر لکھتے رہے۔ پھر انہوں نے وکیلِ صفائی

سے مخاطب ہو کر کہا:

"Gupta ji! any concluding remarks."

"Yes me lord!"

گپتا نے کرسی سے اٹھ کر کہا:

"جناب! ہم سب جانتے ہیں کہ ملزم اور مجرم میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ابھی میری موکلہ مس کوشل خاتون پر فردِ جرم ہی عائد ہوئی ہے۔ عجیب بات ہے کہ میرے فاضل دوست نے اسے ملزم سے مجرم بنا دیا۔ جناب! ملک کی بیٹیوں کے احترام کی بات کرنے والے میرے فاضل دوست بھول گیے کہ کوشل خاتون بھی اسی دھرتی کی سنتان ہے، اسی مہان دیش کی ایک بیٹی ہے۔ ابھی اس بیٹی پر الزام ہی عائد ہوا ہے۔ الزام ثابت کرنا عدالت کا کام ہے اور جب تک میری موکلہ پر الزم ثابت نہیں ہوتا میرے خیال میں اسے جیل بھیج کر پیشہ ور مجرموں کے ساتھ رکھنا اس کی نفسیات اور اس کے کردار پر برے اثرات مرتب کرے گا۔ لہٰذا میری عدالت سے درخواست ہے کہ اس کی کم عمری کا خیال کرتے ہوئے اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔ That is all your honour."

جج نے پھر فائل پر کچھ لکھا۔ پھر انہوں نے کہا:

"چونکہ عدالت میں آج کے دن کئی کیسوں کی سماعتیں ہونے

والی ہیں اس لیے اس کیس کا فیصلہ عدالت کل سنائے گی۔"

کٹہرے سے باہر کھڑی دو لیڈیز پولیس اہلکار کوشل خاتون کی باہیں پکڑ کر اسے کورٹ روم سے باہر لے آئیں۔ وہ کاری ڈور میں مڑ مڑ کے اپنے پیچھے آنے والی اپنی ماں اور آشیش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی ماں اپنے آنچل سے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اچانک کوشل رک گئی اور جب ماں اس کے قریب آ گئی تو اس نے ماں سے دبے لفظوں میں کہا:

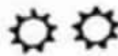
"ممی! بہت ہو گیا۔ اب رونے سے کوئی سین کھڑا مت کرو۔"

یہ سن کر اس کی ماں کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ وہ رک گئی تو آشیش نے اس کا بازو پکڑ کر کہا:

"چلو ممی!"

اس نے جھٹکے سے اپنی باہ چھڑا لی اور تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ آشیش بڑبڑایا:

"Bloody ungrateful family."





بھوت پریت بری آتمائیں اور جنات

''ڈھلان، ڈھلان، ڈھلان۔ آجا ڈھلان۔''

بس کا کنڈیکٹر دروازے سے جھولتا ہوا آواز دے رہا ہے۔

''امّاں!''

اس نے اپنی ماں کا ہاتھ زور سے پکڑ کر پوچھا:

''چھپرا سے ڈھلان کتنا دور باٹے؟''

(چھپرا سے ڈھلان کتنا دور ہے؟)

''کاہے پوچھت باڑی؟''

(کیوں پوچھتے ہو؟)

''ہمرا کے چھپرا اچھا لاگے لا۔ دیکھ ای کتنا لوگ باگ ایہاں با۔''

(مجھے چپرا اچھا لگتا ہے۔ دیکھو کتنے لوگ ہیں یہاں۔)

اس نے قمیص کی جیب سے ریوڑی نکال کر منہ میں ڈالی:

''ہم لوگ چھپرا میں کا ہے نا رہے نی؟''

(ہم چھپرا میں کیوں نہیں رہنے آتے؟)

''کیوں کہ ڈھلان ہمار پرکھا لوگ کے جنم بھومی ہوِ ے۔''

(کیوں کہ ڈھلان ہمارے پرکھوں کی جنم بھومی ہے۔)

ماں نے اسے کھینچتے ہوئے کہا:

''مگر تُو تَ کہت رہلی کہ ہُواں بھوت پریت، گندی آتمائیں، جنّات اور نا جانے کا کا باٹے۔''

(مگر تم تو کہتی تھیں کہ وہاں بھوت پریت، گندی آتمائیں، جنّات اور نہ جانے کیا کیا ہیں۔)

''کہاں؟''

ماں نے پوچھا:

''ڈھلان میں۔ ہَمَر گاؤں میں۔ سانجھ میں جب لوگ ـــــ آپن آپن گھروا میں اپلا جلاوت رہلن تب اوکرا سے کتنا دھواں پھیلت رہئل۔ ہر گھر میں پِیَر روسنی کے دیا ٹمٹماوت رہے۔ چھپرا میں دیکھ کہ کتنا چمکت باٹے۔''

(ڈھلان میں۔ ہمارے گاؤں میں۔ شام کو جب لوگ اپنے اپنے گھروں میں اپلے جلاتے ہیں تو کتنا دھواں پھیلتا

ہے۔اور ہر گھر میں پیلی روشنی کا دیا ٹمٹماتا رہتا ہے۔چھپرا میں دیکھو کتنی روشنی ہے۔)

اس نے گاڑی کے شیشے سے اپنا سر باہر نکال کے چھاپرا کی طرف دیکھا۔چھپرا اب پیچھے رہ گیا تھا:

''منڈی بھیتر کری۔''

(سر اندر کر۔)

ماں نے اس کا سر پکڑ کر اندر کھینچا۔شام ہو رہی تھی اور وہ کھیتوں سے لوٹتے ہوئے کسانوں کو دیکھ رہا تھا۔کبھی کسی گاؤں کی روشنیاں دیکھ کر گردن موڑ کر اسے دیکھتا:

''اتاں!تُو بابا سے چھپرا آوے کے کہہ نا۔''

(اماں!تم بابا سے چھپرا آنے کو کہو نا۔)

''وُہ نا مانیہن۔''

(وہ نہیں مانیں گے۔)

''کا ہے؟''

(کیوں؟)

اس نے بھولپن سے پوچھا۔اماں نے اس کا سر گود میں لیا:

''ای سہر ہے اور ایہاں بھوت پریت اور برا آتما اور جنات سب رہیلن۔''

(کیونکہ یہ شہر ہے اور یہاں بھوت پریت اور بری

آتمائیں اور جنات رہتے ہیں۔)

''مگر تُو تَ کہت رہلی کی وہ سب ڈھلان میں رہیلن۔''

(مگر تم تو کہتی ہو کہ وہ ڈھلان میں رہتے ہیں۔)

''ڈھلان میں جندہ نیکھن سب۔''

(ڈھلان میں زندہ نہیں ہیں یہ سب۔)

''تو کا چھپرا میں ای سب جندہ باٹے؟''

(تو کیا چھپرا میں یہ سب زندہ ہیں؟)

''ہاں سب سہروں میں ای جندہ باڑن۔ چلت پھرت رہیلن۔ آدمی لوگ کے کھا جائیلن۔''

(ہاں ہر شہر میں یہ زندہ ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں۔ لوگوں کو کھاتے ہیں۔)

اس نے اپنا ہاتھ ماں کے منہ پر رکھا:

''بس کرو اتاں! ہمرا ڈر لگت با۔''

(بس کرو اماں! مجھے ڈر لگتا ہے۔)

بس کی بتیاں جل رہی تھیں۔ باہر گھنا اندھیرا چھایا تھا۔ اس نے ایک بار کھڑکی سے باہر دیکھا تو اسے ہول آیا۔ وہ گھبرا کر اپنی ماں سے چمٹ گیا:

''اتاں! آج سے تو ہرے پاس ہم سوئیم۔''

(اماں! آج سے میں تمہارے ہی پاس سویا کروں گا۔)

''کا ہے؟''

(کیوں؟)

اماں نے چمکارتے ہوئے پوچھا:

''تُو پاس رہیلی تَ کچھو سے ڈر نالاگے لا۔''

(تم پاس ہوتی ہو تو کسی سے بھی ڈر نہیں لگتا۔)

بس سے اترتے ہی وہ ماں سے لپٹ کر چلنے لگا۔اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔کھیتوں سے دھان کے خوشوں کی خوشبو آرہی تھی۔آم کے یک باغ میں رکھوالے نے جھونپڑی کے آگے الاؤ جلایا تھا۔وہ اکڑوں بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔اس ہیبت ناک سرخ ہیولے کو دیکھ کر اس کا دل دہل گیا۔ دور سے سیار بول رہے تھے:

''ہوں ہوں۔''

اس نے اپنی ماں کا دامن زور سے پکڑا تھا۔

''توہنی کے آگھیلن سب؟اتنا دیر کا ہے بھئیل؟''

(آگئے تم لوگ؟اتنی دیر کیوں لگائی؟)

آنگن میں کھاٹ پر بابا لیٹا تھا:

''اور یہ کے با تو ہرے ساتھ؟''

(اور یہ کون تمہارے ساتھ ہے؟)

بابا نے اٹھ کر پوچھا:

''کون ہوے؟شبنو ہی تَ باٹے۔''

(کون ہے؟شبنو تو ہے۔)

''ناناوہ جوکونو دوسرا آدمی توہر ے ساتھ آئل با۔ ای کے ہے؟''

(نہیں نہیں وہ جوکوئی اور تمہارے ساتھ آیا ہے۔ یہ کون ہے۔)

''ای آسیس ہے۔''

(یہ آشیش ہے؟)

''کون آسیس؟''

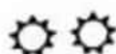
(کون آشیش؟)

''کوشل کے بوائے فرینڈ۔''

(کوشل کا بوائے فرنڈ۔)

''لاحول ولاقوۃ۔''

محمد شعبان نے چادر میں اپنا منہ چھپایا۔





والدین کے حقوق تب ختم ہوتے ہیں
جب وہ مر جاتے ہیں

اگلے روز جب جج کرسی پر براجمان ہوئے تو وہ کچھ دیر کے لیے خاموش رہے۔ کورٹ روم میں بھی گہری خاموشی طاری ہوئی۔ صرف پنکھوں کی شوں شوں سنائی دی رہی تھی۔ پھر جج نے کورٹ روم میں موجود لوگوں کی طرف دیکھا۔ اپنا چشمہ اتار کے ٹیبل پر رکھا۔

''آہ!''

وہ کہنے لگے:

''اس سے پہلے کہ کورٹ مس کوشل خاتون عرف پریا کی ضمانت کی عرضی پر اپنا فیصلہ سنائے میں آپ لوگوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کورٹ سٹاف میری ان باتوں کو نوٹ

نہ کرے۔

ہم انسان ایک سماج میں رہتے ہیں اس لیے کہ ہمارے پوروجوں کو سماج تشکیل دینے کی ضرورت پڑی تھی۔ سماج کی تشکیل کا مقصد ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان انفرادی طور پر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتا تھا لہٰذا باہمی تعاون کے لیے سماج بنانا پڑا۔ ان ضروریات کا تعلق انسان کی معیشت تک محدود تھا۔ اور اگر اتنے ہزار برس گزرنے کے باوجود سماج کا یہی تصور ہے تو میں اسے سماج ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ اس لیے کہ سماج میں رہنے والے افراد اگر دوسرے افراد کے تئیں ان کی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتے تو انہیں سماج میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔''

جج صاحب تھوڑی دیر کے لیے گہری سوچ میں پڑ گیے۔ پھر بولے:

دوسری ذمہ داریوں سے الگ ہم فی الحال اپنے بچوں کی ذمہ داریوں پر بات کرتے ہیں۔ ہمارے لڑکپن میں بچوں کی سرولینس کا ایک پورا نظام قائم تھا۔ سکیورٹی کے کئی گرڈس ہوا کرتے تھے۔ سرویلنس کے اس نظام کے پہلے کیمرے ماں اور باپ کی آنکھیں ہوا کرتی تھیں۔ پھر بڑے بھائی یا بھائیوں کی نگرانی۔ اس کے بعد رشتہ دار جاسوسوں کی طرح

تاک میں رہتے تھے۔ ہمسایہ اپنے بچوں اور دوسروں کے بچوں میں فرق نہیں کرتے۔ جہاں کوئی بات معلوم ہوتی تھی بنا کسی تاخیر کے بتادیتے۔ نہ انہیں بتانے میں جھجک محسوس ہوتی تھی نہ والدین کو اپنی اولاد کی برائی کے بارے میں کوئی بات سننے میں شرم محسوس ہوتی۔ اسکول کے ماسٹر تو باضابطہ گشت پر نکلتے تھے۔''

جج صاحب نے پانی پیا۔ بولے:

''کل ہم لوگ کلب میں اس کیس کے سلسلے میں بات کر رہے تھے۔ ایک جج صاحب نے بڑا دلچسپ واقعہ سنایا۔ بولے کہ ہمارے خاندان میں سنیما دیکھنے پر پابندی تھی۔ ان دنوں سنیما کی لابی میں دیوار پر فریم میں یا تو سنیما میں اس وقت دکھائی جانے والی فلم کے مناظر کے فوٹو لگائے جاتے تھے یا پھر آنے والی فلم کے۔ کہنے لگے ہم لوگ چپکے سے وہ فوٹو دیکھتے اور ان کو جوڑ کر اپنے تخیل سے فلم کی سٹوری بناتے۔ ایک دن کیا ہوا کہ میں سنیما سے نکلا تو ماسٹر جی نے گیٹ پر دھر لیا۔ ترنت والد صاحب کو کل اسکول میں طلب کیا گیا۔ سارے لڑکوں کے سامنے میری پٹائی ہوئی۔ میں لاکھ کہتا رہا کہ ماسٹر جی میں والد کے لیے دوائی لینے گیا تھا اور میں نے صرف فوٹو دیکھے مگر میری کسی نے نہ سنی۔ حد تو یہ ہے کہ والد خاموش بیٹھے میری پٹائی کا

تماشا دیکھتے رہے۔اس بات کا جب میں نے والد سے گھر میں شکوہ کیا تو وہ بولے تم کیا یہ چاہتے تھے کہ میں ماسٹر جی کو جھوٹا ثابت کرتا۔"

اس بات پر حاضرین نے تالیاں بجائیں۔جج صاحب بولے:

"یہ تھا ہمارے سماج میں اخلاقیات کا ڈھانچہ جواب گر گیا ہے۔ہمیں اسے پھر سے تعمیر کرنا ہوگا۔میں کل ایک لیڈنگ نیوز پیپر میں ایک پچھڑے ہوئے گاؤں کے ایک سماجی کارکن کا انٹرویو پڑھ رہا تھا۔یہ صاحب اپنے گاؤں اور آس پاس کے گاؤں کی لڑکیوں کو تعلیم دینے کی مہم چلا رہے ہیں۔کئی اسکول بھی کھلوائے ہیں۔ان کی ایک ہی بیٹی ہے جس نے دہلی یونیورسٹی سے ایم۔سی۔اے کیا ہے۔ اب دہلی میں ہی کسی کمپنی میں ملازمت کر رہی ہے۔جب ان صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا اب آپ سمجھ رہے ہیں کہ ایک والد کی حیثیت سے آپ نے سارے فرائض ادا کیے تو انہوں نے جو جواب دیا اس سے میں چونک گیا۔بولے نہیں والدین کے فرائض تب ختم ہوتے ہیں جب وہ مر جاتے ہیں۔ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں اس لیے میری ذمہ داریاں کچھ زیادہ گمبھیر قسم کی ہیں۔میں نے دہلی میں اپنی بیٹی کی رہائش کے لیے وہ مکان چنا جس میں لینڈ لارڈ

اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہے۔ میں روز شام کو اپنی بیٹی کو ویڈیو کال کرتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہی کمرے میں ہے یا کہیں اور۔ میں نے لینڈ لارڈ سے گزارش کی ہے کہ وہ میری جگہ میری بیٹی پر نظر رکھے۔ بلکہ کچھ دکانداروں سے بھی کبھی کبھی فون پر پوچھتا ہوں۔

میں مہینے میں ایک بار ضرور بیٹی کے دفتر جاتا ہوں اس کے باس سے بات کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ کینٹین میں کھانا کھاتا ہوں۔ میری بیٹی میری دوست ہے۔ یہ سچ ہے کہ مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے مگر زمانہ خراب ہے اس لیے میں ہر وقت اپنی بیٹی کو یہ احساس دلاتا ہوں کہ میں وہاں موجود ہوں جہاں تم ہو۔

اگر ہم سب اسی طرح اپنی بیٹیوں کے بارے میں فکرمند ہو جائیں اور ان کی نگرانی کریں تو ہماری بیٹیاں live-in relation کی بدعت کا شکار نہیں ہونگیں۔ میں ایک جج ہوں اور مجھے بدعت کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ بھارت کا آئین ایک بالغ مرد اور بالغ عورت کو بنا کسی ازدواجی رشتے کے ایک ساتھ رہنے کا حق دیتا ہے۔ مگر میں بھارت کی سنسکرتی اور یہاں کی پرمپرا کی بھی عزت کرتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ اس معاملے میں میرے مہان دیش کی سنسکرتی اور پرمپرا اور قانون

ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں۔ بہر حال ان دونوں کے بیچ جو راستہ ہے یہ اس پر چلنے والے کی سوچ پر منحصر ہے کہ وہ کس طرف جاتا ہے۔ "

کورٹ روم میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ جج بولے:

"Court staff may record now." بھارت میں Prostitution پر کوئی قانونی پابندی نہیں۔ مگر اس سے منسلک دوسری سرگرمیاں جیسے کسی کو ورغلا کر اپنا جسم بیچنے پر مجبور یا آمادہ کرنا، سڑک کے کنارے سست رفتار سے گاڑی چلا کے کسی جسم فروش عورت کو تلاش کرنا، کسی چکلے کا مالک ہونا، چکلہ manage کرنا، ہوٹل کو جسم فروشی کا اڈہ بنانا، کم عمر لڑکیوں کو اڈے پر بٹھانا، دلالی کرنا یہ سب غیر قانونی ہے۔ UNAIDS کی ایک رپورٹ کے مطابق 2016 میں ملک بھر میں لگ بھگ 657829 چکلے موجود تھے۔ دوسرے غیر سرکاری ذرائع کے مطابق یہ تعداد تین سے دس میلین ہے۔ اگر چہ بھارت کا قانون جسم فروشی کے معاملے میں کئی اعتبار سے واضح نہیں تاہم کچھ قانونی ماہرین کے مطابق بھارت میں جسم فروشی غیر قانونی ہے۔ بھارت کا قانون ایک سیکس ورکر کو پبلک پلیس کے بیس yards میں جسم فروشی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسے Public

indecency اور Public nuisance کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ بھارت میں سپا ایک سودمند انڈسٹری کے طور پر ابھر رہا ہے۔ مساج یا مالش کی پرمپرا ہر ملک میں موجود ہے۔ Physiotherpy helps restore movements and function when someone is affected by injuiry,illness or disablity.Pysiotherapy is a science based profession and takes a 'whole person'to health and well being,which includes the patients general life style. لیکن مشکل یہ ہے کہ ان مساج سنٹرس کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ چنانچہ سپا کے مالک Cross gender اسٹاپ کو ترجیح دیتے ہیں۔ بلکہ ملک میں مشکل سے کوئی ایسا سپا ہوگا جہاں Cross gender staff نہیں ہوگا۔ اگر اس پر قانونی پابندی لگادی جائے تو پورے ملک میں اسی فیصد سپا بند ہو جائیں گے۔ مگر قانون سازوں کو اس بارے میں خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ کچھ قوانین بنائے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر سپا میں کام کرنے والا تربیت یافتہ ہو۔ اس کی ڈگری دیکھ کر اسے نوکری فراہم کی جائے۔ سٹاف کا نام اور پتہ سپا

میں display کیا جائے۔ان کی سیلری کا اگریمنٹ کیا جائے۔کلائنٹ سے written undertaking لی جائے کہ اگر وہ کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث پایا جائے تو اس کے لیے وہ پوری طرح سے خود ذمہ دار ہوگا۔ایسے کچھ اقدام کیے جاسکتے ہیں جن سے ایک سپا کو جسم فروشی کا اڈہ بننے سے کسی حد تک روکا جاسکتا ہے۔

بہر حال یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارا ملک ایک بڑی سیکس انڈسٹری بن گیا ہے۔سیکس ٹیورزم سے بہت بڑا ریوینیو کمایا جارہا ہے۔یہ رجحان خوفناک حد تک بڑھ گیا ہے۔آنے والے وقتوں میں اس کا نتیجہ کتنا گمبھیر ہوسکتا ہے اس کا اندازہ خوب لگایا جاسکتا ہے۔

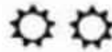
دونوں وکلاء کی بحث سننے اور اس عدالت میں پیش کیے گیے شواہد دیکھنے کے بعد عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ کوشل خاتون کو ضمانت دینے سے سماج میں ایک غلط message جائے گا۔لہٰذا یہ عدالت کوشل خاتون کی ضمانت کی عرضی کو مسترد کرتی ہے۔ہمارے ملک کا قانون سیکس ورکرس کو لیبر لا کے تحت پروٹیکٹ نہیں کرتا۔مگر سیکس ورکر اگر چاہے تو اسے بازآبادکاری کا حق حاصل ہے۔عدالت کوشل خاتون سے پوچھتی ہے کہ کیا وہ اس حق کا استعمال کرنا چاہتی ہے؟''

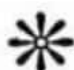
"Yes me lord!"

کوشل کے وکیل نے کہا۔ جج صاحب بولے:

''عدالت کوشل خاتون کو چھ مہینے تک بازآبادکاری سینٹر میں رکھنے کا حکم دیتی ہے۔ ڈسٹرک ایڈمنسٹریشن اس بارے میں ضروری اقدام کرے۔ تاہم یہ چھ مہینے سزا نہیں سمجھے جائیں گے۔''

"Next case."





کاش میرے سترِ عورت پر انگارے برسائے ہوتے

''کتنا بار توہرا کے سمجھائنی کی اسمان پر گھنا گھنگھور بادل جب چھا جائی اور بجولی کڑ کے لاگے تب ترنتے گھر آجاؤ۔''

(کتنی بار تم کو سمجھایا ہے کہ آسمان پر گھنے گھنگھور بادل چھا جائیں اور بجلی کڑکنے لگے تو فوراً گھر آیا کرو۔)

اماں نے اسارے کے ایک کھمبے پر ٹنگا شعبان کے والد کا انگوچھا اتار کر اس کا سر پونچھنا شروع کیا:

''شبنو!''

اماں نے بڑے دلار سے کہا:

''ای بوڑھوا برگد پر بجولی عاسق ہَوَ ے بیٹا!''

(اس بوڑھے برگد پر بجلی عاشق ہے بیٹا!)

اس نے اپنی ماں کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

''اور بھوت پریت بھی۔ باٹے نا اتاں! اور پری لوگ اور چڑیلن سَبھَن ۔''

(اور بھوت پریت بھی۔ ہے نا اماں! اور پریاں بھی اور چڑیلیں بھی۔)

اماں نے اس کی بھیگی قمیص کے بٹن کھولتے ہوئے کہا:

''اور ناہی تَ کا؟ مگر تو ہرا یکین آئے تب نا۔ بدماس کہیں کا۔''

(اور نہیں تو کیا؟ مگر تمہیں یقین آئے تب نا۔ بدمعاش کہیں کا۔)

بجلی زور سے کڑکی تو وہ ہول کے مارے اپنی اماں سے چمٹ گیا:

''اتاں!''

اس نے کانپتے ہوئے پوچھا:

''اماں! جیکرا پر بجولی گرے لاؤ ہ مرجالا کا؟''

(جس پر بجلی گرتی ہے وہ کیا مرجاتا ہے۔)

اماں نے اس کی قمیص کو ہولے سے اتار کر کہا:

''ہاں اور کا۔''

(ہاں اور کیا۔)

''کے ترے اتاں!''

(کیسے اماں؟)

اس نے معصومیت سے پوچھا:

اماں بولی:

''جیکرا پر بجولی گرے لاؤ ہ بھسم ہو جالا۔''

(جس پر بجلی گرتی ہے وہ بھسم ہو جاتا ہے۔)

اس نے پوچھا:

''بھسم کے ترے ہو کھے لا اتاں؟''

(بھسم ہونا کیا ہوتا ہے اماں؟)

اماں نے الگنی سے اس کی قمیص اتار کر کہا:

''چولھا میں جے ترے لکڑی جر کے کوئلہ بن جالا، وہی ترے بھسم ہو کھے لا۔''

(چولھے میں جب لکڑی جلتی ہے تو کوئلہ بن جاتی ہے۔ یہی ہوتا ہے بھسم ہونا۔)

اماں اسے قمیص پہنانے لگی۔ وہ بولا:

''اتاں! جب ہم کوئلہ سے دیوال پر لکھے رہنی تب تُو کاہے مارے لو؟''

(اماں جب میں کوئلے سے دیوار پر لکھتا ہوں تم مجھے

کیوں مارتی ہو؟)

اماں نے بھیگا انگوچھا الگنی پر ڈالتے ہوئے کہا:

"کیونکہ جون کپڑا سے ہم دیوال صاف کرے نی اوکرا پر

کالکھ لگ جالا۔"

(کیوں کہ میں جس کپڑے سے دیوار کو صاف کرتی ہوں

اس پر کالک لگتی ہے۔)

بجلی زور سے کڑکی اور وہ اماں کی گود میں چھپ گیا:

"اماں مجھ پر کب کی بجلی گر گئی ہے۔ میں کب کا بھسم ہو گیا

ہوں۔ میرے گھر کی دیواروں پر میرے بچوں نے کالک

پوت دی ہے۔ تم مجھے پکارتیں کیوں نہیں۔ شبنو!

رے شبنو! شام ہو گئی بیٹا! اماں شام ہو گئی ہے اور میں

بوڑھے برگد کے نیچے اکیلا کھڑا ہوں۔ آسمان گھنے گھنگھور

بادلوں سے اٹ گیا ہے۔ بادلوں کے بیچ بجلیاں لپک رہی

ہیں۔ زمین گرج سے لرز رہی ہے۔ چڑیلیں چیخ رہی ہیں۔

اماں! میں ڈر سے کانپ رہا ہوں۔ پکارو بس ایک بار

پکارو۔ اس بار میں ایک ہی آواز پر آ جاؤں گا۔ شبنو! اے

بیٹا شبنو! اماں مجھ پر بجلی گر گئی اور میں بھسم ہو گیا۔"

یہ بڑبڑاتے ہوئے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا ظرف النساء

اس کی بائینتی بیٹھی منہ میں دوپٹا ٹھونسے رو رہی ہے۔ اس نے منہ دوسری طرف موڑا:

''ظرفو!''

اس نے کراہتے ہوئے کہا:

''تم نے ہمیشہ اپنے بچّوں کے پوتڑوں سے میرا منہ بند کیا۔ مجھے یاد آرہا ہے۔ میری اماں کہتی تھیں جن کے گھر کی دیواریں مٹّی کی ہوتی ہیں وہ ساون سے پہلے پر چھتی کی مرمت کرتے ہیں۔ ورنہ بارش کی ترچھی بوچھاڑیں مٹّی کو گوندکر دیوار کو پیڑا بنا دیتی ہیں۔ ایک دفعہ ہمارے گھر کی دیوار گر گئی تھی۔ شاید سیلاب آگیا تھا۔ سب برتن بھانڈے پانی میں بہنے لگے۔ کچھ دن بعد جب پانی اترا تو بابا نے اپنا پاجامہ ایک پیڑ پر دیکھ کر رو رو کے اپنے پروردگار سے کہا تھا:

''اے میرے ستار العیوب! میں نے ہزار جھوٹ بولے ہونگے۔ مگر لنگوٹ کا سچا رہا۔ کاش میرے ستر عورت پر انگارے برسائے ہوتے۔''

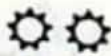
وہ رونے لگا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ظرف النساء میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اپنے شوہر کی اشک شوئی کرتی:

''اس دن اماں بھی بہت روئی تھیں۔ میں نے اماں کو

زندگی میں اتنا گریہ کرتے نہیں دیکھا ہے۔ایسی برسات کبھی نہیں دیکھی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک دن وہ دیکھنا پڑے گا جب میرے گھر کی دیوار بھی گر جائے گی اور میرا پاجامہ کسی کی چھت پر پڑا ملے گا۔''

اس نے چھت کی طرف دیکھا:

''مجھے اماں برگد کے پاس جانے سے روکتی تھیں۔ کہتی تھیں اس میں بھوت پریت، جنات، پریاں اور ہمزاد رہتے ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے گاؤں کا میرے بچپن کا وہ برگد اس مکان کی جون میں میرے ساتھ آئے گا۔ دوسری ذات کے بھوت میری اپنی اولاد کے راستے سے میرے گھر میں گھس گیے۔ میرا وجود اللہ اکبر اور ہر ہر مہادیو کی صداؤں کے بیچ میں لٹک رہا ہے۔جن ماتھوں پر سجدے کے داغ لگنے تھے ان پر ٹیکے لگ گیے۔ مجھے لگتا ہے میرے نامۂ اعمال پر چندن کی لکیریں ایسے کھینچ گئی ہیں جیسے ریت پر سانپ کے رینگنے سے کھنچ جاتی ہیں۔''





ساری دنیا مجھے دلاّ اور بھڑوا سمجھ رہی ہے

''آج بھی نہ آ ؤ گے؟''

ظرف انساء نے چوکھٹ پر اپنے شوہر سے پوچھا:

'' ظرفو! تم سوکھی مٹّی کے ڈھیلے کو چاک پر گھما کر برتن بنانا چاہتی ہو۔ چاک گھومتے گھومتے تھک جائے گا۔ ہاتھ ٹوٹ جائیں گے۔ تم ماں ہو اور ماں کمہار ہوتی ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ بچّہ گوندھی ہوئی مٹّی کی طرح ہوتا ہے۔ جسے ذمہ داری کے چاک پر گھما کر اگر وقت پر کوئی آ کار نہ دیا گیا تو مٹّی سوکھ کر ڈھیلا بن جاتی ہے۔ پھر اسے توڑا ہی جاسکتا ہے۔ اور ایک بار وہ ٹوٹ گیا تو پھر اسے جوڑا نہیں

جا سکتا۔ مٹّی کے ان ڈھیلوں کو کلوخ کہتے ہیں جو ہمارے بچپن میں استنجا کے کام آتے تھے۔''

محمد شعبان کی ان باتوں سے ظرف النساء کے من میں آگ لگ گئی:

''تمہاری آنکھوں کا پانی مر گیا ہے شعبان۔ تمہارا دل مٹّی کا ڈھیلا بن گیا ہے۔ مٹّی کا ڈھیلا کیوں پتھر بن گیا ہے___ تم سے بہتر کانچ کی وہ گولی ہے جسے کانے کی آنکھ میں ڈھیلے کی جگہ رکھا جاتا ہے۔''

محمد شعبان نے غصّے سے کہا:

''ہاں سنڈاس میں رہنے سے کانے کی آنکھ میں رہنا کہیں بہتر ہے۔ خوش قسمت___ ہے وہ کانچ کی گولی جسے کسی کانے کی آنکھ میں جگہ مل جاتی ہے۔ مگر تم یہ فرق نہیں سمجھ سکتیں۔ میری آنکھوں کا پانی مر گیا ہے مگر تمہاری تو آنکھیں ہی مر گئی ہیں۔ تمہیں خیال ہی نہ رہا کہ تمہاری آنکھوں کی لاش پر موتیا بند کا کفن پڑ گیا۔''

''نہیں آ ؤ گے؟ ہاں یا نا۔''

ظرف النساء نے پوچھا:

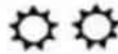
''کہاں؟''

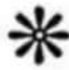
محمد شعبان نے آنکھیں نکال کر پوچھا:

''پتھر کے اس ڈھیلے سے زخمی ہونے جسے میں استنجا کے

لیے سنڈاس میں بھی نہ رکھوں۔ ساری دنیا مجھے دلاّ اور بھڑوا سمجھ رہی ہے۔ مجھ سے بہتر وہ بھڑوا ہے جو شرم وحیا کا چولا اتار کر رنڈیوں کی کمائی پر زندگی بسر کرتا ہے۔ اسے کسی رنڈی میں بہن یا بیٹی نظر نہیں آتی۔ وہ قصائی کی دکان کے پاس اس کتے کی طرح ہوتا ہے جس کی طرف قصائی چھیچھڑے پھینکتا ہے۔''

ظرف النساء اپنا سا منہ لے کر وہاں سے اٹھ گئی۔





میرے سینے پر آٹا گوندنا شروع کیا

کوشل باز آبادکاری سنٹر کے لان کے ایک کونے میں سب کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بیزاری دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ اس کے بال کٹوائے گیے تھے جس کی وجہ سے اسے پہچاننا مشکل تھا:

"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ بال کیوں کٹوائے ہیں؟"

اس نے ماں کے لہجے میں طنز کی کاٹ محسوس کی۔

"سر میں جوئیں پڑی تھیں۔ کھجلی بہت ہوتی تھی اس لیے۔"

سب لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ گیے۔ ماں نے کہا:

"کھجلی تو تجھے جب آئی تھی جب تو آٹھویں میں پڑھتی تھی۔"

محمد ثمر نے ماں کی طرف غصّے سے دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوشل کی دل آزاری ہو۔ تبھی کوشل جیسے پھوٹ پڑی:

''نہیں نہیں ثمر! کہنے دو۔''

اس نے ماں کی طرف دیکھ کر کہا:

''ہاں مجھے تب سے کھجلی ہوتی تھی۔ اور تمہیں معلوم ہے
کہاں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ کیوں ہوتی ہے۔''

ماں نے غصّے میں اس کے منہ پر تھپڑ مارا:

''چپ کنجری!''

''کیوں چپ بیٹھوں۔''

اس نے چلا کر کہا:

''ممی جن کے مکان میں دو کمرے ہوتے ہیں وہ پانچ بچّے
پیدا نہیں کرتے۔ اور جب بچے جوان ہونے لگتے ہیں تو
انہیں اپنے پاس نہیں سلاتے۔''

وہ بہت جذباتی ہوگئی۔ ظرف انساء کو لگا جیسے اس کے چہرے پر کسی نے
حیض کا لتا پھینک دیا ہو۔ وہ اٹھنے لگی تو کوشل نے اس کا دامن پکڑ لیا:

''جاتی کہاں ہو جس بات کا طعنہ تم نے دیا ہے۔ اس کا کارن
نہیں سنو گی۔''

ظرف النساء بیٹھ گئی۔ کوشل پاگلوں کی طرح بڑبڑانے لگی:

''کمرے کے فرش پر سوئی ہوئی ایک لڑکی جب رات کو بیڈ
کے مچکنے سے جاگ جاتی تھی تو اسے لگتا تھا کہ کسی نے تنور
دہکایا ہے اور وہ تنور کے کنارے پر بیٹھی ہے۔ کوئی آٹا گوند

رہا ہے۔ اسے آٹے کی سسکاری سنائی دیتی ہے۔ پھر آٹا
گوندنے والا اپنے ہاتھوں پر روٹی تھاپ رہا ہے۔ تھاپ
سن کر اسے کھجلی ہونے لگتی ہے۔ وہ اس جگہ پر ہاتھ رکھتی
ہے جہاں تنور کی گرمی اور تھاپ سے کھجلی ہونے لگتی ہے۔
اور وہ اس جگہ پر کھجانے لگتی ہے۔ اس کا ہاتھ گیلا ہو جاتا
ہے۔ اور اسے لگتا ہے جیسے کسی نے اسے تنور کے کنارے
سے اٹھا دیا ہو۔ پھر وہ ہر رات جب تک جاگتی تھی جب
تک روٹیوں کے تھاپنے کی آواز نہیں سنائی دیتی۔''

ماہ رخ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:

''کیسی بیہودہ باتیں کر رہی ہے تو۔''

اس نے جیسے ماہ رخ کی بات سنی ہی نہیں:

'' عید کے دن جب اس کے بھائی نے اپنا موبائیل گھر
پر چھوڑا۔ اس نے موبائیل کی گیلری دیکھی۔ اس میں کئی
ویڈیو ایسے تھے جن کو دیکھ کر اس نے پہلی بار جانا کہ تنور
کیسے گرم کیا جاتا ہے اور روٹیوں کے تھاپنے کی آواز کہاں
سے آتی ہے۔ اسے لگا کہ اس کے سارے جسم میں کھجلی
ہونے لگی۔''

محمد ثمر نے کہا:

''ہم یہ بکواس سننے کے لیے نہیں آئے ہیں۔ بے شرم!''

''کیوں بے شرم کیوں ہوں۔''

اس کی آنکھوں میں وحشت تھی:

''یاد ہے ثمر! یاد ہے جب تم شادی سے پہلے اپنی بیوی کے ساتھ مجھے اپنے ایک دوست کے گھر لے گیے تھے۔ تم دونوں نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کیا۔ تمہارے دوست نے مجھے صوفے پر بٹھا کر پوچھا تھا ''تمہیں معلوم ہے وہ کمرے میں کیا کرنے گیے ہیں۔'' میں چپ رہی تھی کیونکہ میرے اندر کا تنور دہکنے لگا تھا۔ پھر تمہارے دوست نے پیچھے سے آکر میری گردن کو سہلانا شروع کیا۔ مجھے لگا کہ آٹا گیلا ہو رہا ہے۔ پھر اس نے میرے گریبان کے نیچے ہولے ہولے اپنے ہاتھ ڈال کے میرے سینے پر آٹا گوندنا شروع کیا۔ میں پیڑے کی طرح گول ہو کے اس کی باہوں میں سمٹ گئی۔ پھر وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اور روٹیاں تھاپنے لگا۔ تھاپ سن کر مجھے اور زیادہ کھجلی ہونے لگی۔ روٹی تنور سے نکلی۔ اس نے اپنی مردانگی میرے پیٹ پر تھوک دی۔ تنور دہکتا رہا۔ تمہارے دوست نے مجھے دھمکی دی تھی: ''اگر کسی کو اس بارے میں بتایا تو میں سب سے کہوں گا کہ تمہارا بھائی ہماری ذات کی لڑکی کو ورغلا کر اس کے ساتھ زبردستی کرتا ہے_____''

محمد ثمر نے اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ اس نے پرے ہٹ کر کہا:

''یہاں کوئی سین کھڑا مت کرو۔''

''بے حیا ہے یہ کلٹا۔''

اس کی دیدی نے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کے کپڑے اتارے جا رہے تھے۔ اس نے دیدی کا گریبان پکڑ کر کہا:

''میں بے حیا ہوں۔ ہاں میں بے حیا ہوں۔ کلٹا ہوں۔
اور بتاؤ کیا ہوں۔ تم کیا ہو۔ اس دن تم کیا تھیں جب شادی
سے پہلے اپنے شوہر کے ساتھ مجھے oyo میں لے گئی تھیں۔
جب مجھے واش روم میں بند کیا تھا۔ کیا مجھے معلوم نہ تھا کہ تم
دونوں کیا کرنے آئے تھے۔ مجھے واش روم میں کھجلی
ہونے لگی تھی کیونکہ کمرے میں تنور دہک رہا تھا اور روٹیاں
تھاپی جا رہی تھیں۔ اس وقت میری خواہش تھی کہ تمہیں
واش روم میں بند کر کے میرا جیجا مجھے گوندنا شروع کرے۔
میرے جسم پر بیلن گھمائے اور مجھے روٹی کی طرح اپنے جسم
سے تھاپ لے۔''

یہ سن کر اس کا جیجا آنکھیں جھینپ کر اٹھا اور گیٹ سے باہر چلا گیا۔

''کنٹرول کنٹرول کوشل اپنے آپ پر کنٹرول کرو۔''

آشیش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا:

''تو چپ بیٹھ! بہن کے لوڑے! تجھے کورٹ میں بک چودی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مادر چود! تیری دیدی بھی تو اسی سپا میں کام کرتی تھی۔ اس کی شادی ہو گئی اور وہ ستی ساوتری بن گئی۔ میں پکڑی گئی تو رنڈی۔ سالے! دارو میری پیتا تھا۔ عیش میرے پیسوں سے کرتا تھا۔''

اس نے اپنی بہن کی طرف دیکھا:

''میں تھک ہار کے آجاتی تو یہ نہیں کہ مجھے سکون سے پانی پینے دیتا۔ ابھی چوکھٹ بھی پار نہیں کرتی کہ یہ بہن کا لوڑا بیلن لے کر مجھے بیلنا شروع کرتا۔ میں منع کرتی کہ feeling نہیں ہے تب بھی زبردستی کرتا۔ بار بار دھمکی دیتا کہ میں تمہارے گھر والوں سے سب کہہ دوں گا۔ میں ڈر کے مارے لیٹ جاتی اور یہ درندہ مجھے پیلنا شروع کرتا۔''

یہ سن کر آشیش رونے لگا اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ظرف النساء نے اس کا سر اپنی گود میں لیا۔ اس نے کوشل کے کپڑوں کا بیگ اٹھا کے اس کے سامنے رکھا: ''یہ تمہارے کپڑے ہیں۔''

کوشل نے بیگ کو لات ماری۔ کپڑے کھل کے گھاس پر بکھر گیے۔ ظرف النساء نے اپنا دوپٹا اس کی برابر رکھا۔ کوشل اٹھ کے جانے لگی۔ ماں نے روکنا چاہا مگر آشیش نے کہا: ''نہیں ممی! کوشل کو جانے دو۔''

آشیش کو کیا معلوم تھا کہ وہ کبھی لوٹ کے نہیں آئے گی۔

*

رم جھم گرے ساون

''مما! ایک بھی اگربتی نہیں جلتی۔''

ماہ رخ نے بجھی ہوئی تیلی پھینک کر اپنی ماں سے کہا۔ ظرف النساء بولی:

''کل ماچس کی تیلی نہیں جلتی تھی آج اگربتی نہیں جلتی۔''

''سیلن کی وجہ سے۔''

ثمر بولا۔ محمد شعبان نے اس کی طرف کراہت سے دیکھا۔ بولا:

''اگربتیوں میں دیمک لگ گئی ہے۔''

ظرف النساء نے ثمر کے بیٹے کو گود سے اتارتے ہوئے کہا:

''کیسی منحوس باتیں کر رہے ہو تم۔''

''کیوں چھت پر گملوں میں چوہوں نے بل نہیں بنائے ہیں؟''

ظرف النساء نے غصّے سے پوچھا:

''ہاں تو؟ کہنا کیا چاہتے ہو؟''

محمد شعبان چلایا:

''جس گھر میں اگربتّیوں میں دیمک لگ جائے۔ گملوں میں چوہے بل بنانے لگیں۔ کپڑوں سے بدبو آنے لگے۔ اس گھر میں نحوست سمجھو داخل ہوئی ہے۔''

محمد شعبان کے چلانے سے ثمر کا بیٹا گھبرا کر جاگ گیا۔ وہ رونے لگا۔

ظرف النساء بولی:

''خدا کے لیے ہم پر نہ سہی بچّوں پر تو رحم کرو۔''

''میں نے کون سی بندوق اٹھائی ہے؟''

شعبان کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا۔ ظرف النساء نے تیکھے لہجے سے کہا:

''بس یہی کرنا باقی رہ گیا ہے۔ خدا کے واسطے بندوق بھی چلا کر تسلّی کر لو۔''

شعبان بھڑک اٹھا:

''تم نے اپنے بچّوں پر کون سا رحم کیا۔ اور یہ عذاب میری وجہ سے نہیں ہے قدرت کی وجہ سے۔ نادان عورت! جو آس پاس رکھو گی۔ اسے آس پاس ہی پاؤ گی۔ جسے اوپر پھینکو گی وہ نیچے آ کر ہی رہے گا۔ جیسا بیج بوؤ گی ویسا ہی پھل پاؤ گی۔''

محمد ثمر نے اپنے بلکتے ہوئے بچّے کو چپ کرانے کے لیے تھپڑ مارا۔

ماں نے ڈانٹا:

''کیوں اپنے باپ کا غصّہ بچّے پر اتارتے ہو۔''

محمد شعبان نے اپنی تیوری پر بل لا کر کہا:

''کیوں میرا غصّہ کس بات پر ہے۔اس کنجر کو میں نے کتنی بار سمجھایا ہے کہ اپنی پرچھائیں کو دکان تک ہی محدود رکھ۔''

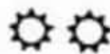
ماہ رخ دیوار کے ساتھ منڈکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ظرف النساء نے اپنی اوڑھنی شوہر کے پاؤں پر پسرا کر کہا:

''خدا کے لیے ہمیں چین سے دو پل جینے دو۔''

شعبان نے اوڑھنی اٹھا کر دیوار کی طرف پھینکی۔ بولا:

''وقت پر اس اوڑھنی سے اپنی ناخلف اولاد کا گلا گھونٹا ہوتا تو بار بار ننگے سر ہو کے اپنی بے حرمتی نہیں کرانی پڑتی۔''

ہوا کے ایک زوردار جھکڑ سے کھڑکی کے دونوں پٹ آپسمیں ٹکرائے۔ محمد ثمر کے بچے کو خوف سے جھرجھری آئی۔





تم اپنا دل اپنا صبر مجھے کیوں نہیں دیتے

۲۰۱۹ کا ساون عجیب تھا۔ بادل جیسے اداسی برسا رہے تھے۔ دھوپ نکلتی تو ظرف النساء کو لگتا جیسے گیلی چھت سے بھاپ نہیں دھواں اٹھ رہا ہے۔ منڈیروں پر پڑے سارے گملوں کے پھول مرجھا گیے۔ پچھلے ساون کا ایک دن تھا جب اس نے بارش میں کہا تھا:

''مما! چھت پر آؤ۔ میں بارش میں ڈانس کروں گی۔ تم میرا ویڈیو بناؤ۔ اسے میں انسٹاگرام پر پوسٹ کروں گی۔ دیکھنا تمہاری بیٹی سٹار بن جائے گی ایک دن۔''

''مگر اس نیکر میں؟ باؤلی تو نہیں ہوگئی ہے۔''

''ارے مما! ایسے ہی followers بڑھتے ہیں۔''

''کیسے؟ ایسے؟ ننگی رانیں دیکھا کر؟''

''لڑکیاں bikni میں اپنی تصویریں پوسٹ کر کے اپنے followers کی likes بٹور رہی ہیں۔''

''یہ bikni کیا ہوتا ہے۔''

''پینٹی اور برا۔''

''توبہ توبہ! ایسا ہے؟''

''ہاں مما! یہی trend ہے۔ اسی سے تو پیسہ کمایا جاتا ہے۔''

بارش کی ایک بونداس کے ماتھے پر گری۔ اسے لگا جیسے اس کے ماتھے پر کسی نے دہکتا ہوا سکہ پھینکا۔ اس کی روح میں ٹیس اٹھی اور گرم آنسوؤں سے گال جھلسنے لگے:

''رم جھم گرے ساون۔ سلگ سلگ جائے من۔ بھیگے آج
اس موسم میں لگی کیسی یہ اگن۔''

جھڑ بدلیاں جھوم جھوم کر آئیں۔ گرج برس کر جانے کس دیس چلی گئیں۔ پھر وہ موسم آیا جب صبحیں اور شامیں دھندلانے لگیں۔ شام ہوتی تو اس کے من میں ہوک اٹھتی:

''مردے کا ماتم چالیس دن تک کیا جاتا ہے۔''

محمد شعبان نے کھڑکیاں کھول کر کہا:

''اور زندوں کا انتظار کیا جاتا ہے۔''

ظرف النساء نے آہ بھر کر کہا:

''میرے لیے وہ مرگئی ہے۔اس مردود کا میں نے فاتحہ بھی نہیں پڑھا۔''

محمد شعبان نے لیٹتے ہوئے کہا:

ظرف النساء بولی:

''جانتی ہوں۔اندر اندر تم بھی ڈھ گیے ہو۔کچھ تو تمہارے اندر بھی مر گیا ہے۔تم اپنا درد چھپا سکتے ہو۔میں نگوڑی ماں ہوں لاکھ اپنے زخموں پر پردہ ڈالوں مگر درد چیختا ہے۔چلّاتا ہے۔میں کیا کروں؟تم اپنا دل اپنا صبر مجھے کیوں نہیں دیتے۔''

''ظرفو!'' محمد سبحان چیخ کر رونے لگا:

''یاد آرہی ہے؟''

ظرف النساء نے جانے کتنے برسوں کے بعد اپنے شوہر کا سر گود میں چھپایا:

''بولو!کوشل یاد آرہی ہے؟''

محمد شعبان نے ہچکیوں میں بولا:

''ہاں!بہت۔''

پھر اس کے منہ سے ہچکیوں کے سوا کچھ نہ نکلا۔ظرف النساء کو لگا جیسے اس کے دکھ سکھ کے ساتھی نے اپنے صبر کی پوٹلی اس کی گود میں ڈال دی۔

''آشیش کا فون آیا تھا۔''

ظرف النساء نے دبی آواز میں کہا۔شعبان نے پوچھا:

''کیا ہوا؟''

''نہیں ہوئی ہے سورج پور کی عدالت سے ضمانت۔''

''اب؟''

''کہہ رہا تھا الہ آباد کے وکیل سے بات کی ہے۔ ہائی کورٹ سے ہی ضمانت مل سکتی ہے۔''

''میرے گھر میں گھنٹیاں کب بجنے لگیں مجھے پتہ نہ چلا۔ کب شنکھ بجنے لگا اس کا بھی پتہ نہ چلا۔''

''تم ہر چیز کو مذہب کی عینک سے کیوں دیکھتے ہو؟''

''کیونکہ میرے ضمیر کی عینک کا نمبر کب خراب ہوا مجھے معلوم ہی نہیں ہوا۔ اب بس ہر طرف دھندلا دھندلا دکھائی دینے لگتا ہے۔ ہر صورت میں ہر منظر میں کوئی ہیولا سر اٹھا کر مجھے گالی دیتا ہے اور مجھ میں آ کر چھپ جاتا ہے۔ میں اسے پکڑ کر باہر نکالنا چاہتا ہوں مگر وہ میرے وجود کو اپنے ساتھ گھسیٹ رہا ہے۔ گھستے گھستے میرا وجود زخمی ہو گیا ہے۔ آدمی اپنے سینے کا زخم دکھا تو سکتا ہے مگر چوتڑوں کا زخم کیسے اور کسے دکھائے؟''

''اللہ پر بھروسا رکھو۔''

''اسی سے تو ڈرتا ہوں۔''

محمد شعبان نے کپکپاتے ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا:

''کل قیامت کے دن جو پوچھا کہ تم نے میری امانت میں خیانت کیوں کی۔ اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے کیوں نہ بچایا۔ تو کیا جواب دوں گا۔ محشر میں کہاں تمہیں پکڑ کر پیش کروں کہ لے میرے رب یہ سوال اس سے پوچھ۔''

اس کی آنکھوں سے برسات ہو رہی تھی۔

ظرف النساء نے کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا:

''میں دنیا میں ہی لوگوں کے سوال سن سن کے کیا کم جہنم جھیل رہی ہوں جو تم قیامت کی باز پرس سے ڈرا رہے ہو۔ کوشل کہاں ہے بھابی؟ ظرفو! بڑی دنوں سے کوشل دکھائی نہیں دیتی۔ کہیں خود بیاہ رچا کر ____ نہیں نہیں آج کل رواج ہے۔ یہ تھوڑا ہمارا وقت ہے کہ ماں باپ نے جس کے پلے باندھا اس کو اپنا سرتاج مانا۔ کوشل کی ٹرائننگ ابھی ختم نہیں ہوئی؟ کوشل ابھی بہار سے نہیں لوٹی؟''

محمد شعبان کو لگا کہ گلی میں لوگ اسے ننگا کر رہے ہیں۔ اس نے چہرہ چادر میں چھپایا۔ ایک دم اسے لگا کہ جیسے چادر میں اس کے رب نے اسے دیکھ لیا۔ وہ گھبرا کر اٹھا:

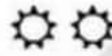
''کیا ہوا؟''

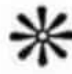
ظرف النساء نے گھبرا کر پوچھا:

محمد شعبان نے اپنے ماتھے پر دو ہتڑ مارتے ہوئے کہا:

''مجھے لگا میں ننگا ہوں اور مجھ پر میرے اللہ کی نظر پڑی۔''

مسجد میں مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔





آمرپالی: کرشن کی دیوانی
یا شہر کی داشتہ

''ساکشی!''

راج نے لابی سے اپنی بیوی کو پکارا:

''کیا ہے راج؟''

ساکشی کچن میں تھی۔ اس نے چائے پیالیوں میں انڈیلتے ہوئے کہا:

''بے بی! ادھر تو آؤ پہلے۔''

ساکشی نے چائے کی پیالیاں ٹیبل پر رکھ کر اپنے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے پوچھا:

''بولو بے بی کیا ہے۔''

راج نے اپنا موبائیل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

''آشیش کے واٹس اپ کی ڈی پی دیکھ لو۔''

''ہوں!''

ساکشی نے آشیش کے واٹس اپ کی ڈی پی کو زوم کر کے دیکھا:

''کوشل کے ساتھ____''

''اچھی جوڑی ہے۔نہیں؟''

''ہوں ٹھیک ہے۔تم اپنا لیپ ٹاپ اور یہ سب پیپر ٹیبل سے ہٹاؤ۔دیکھو شیٹ پر کتنے داغ لگے ہیں۔یار تم شیٹ پر چائے کیوں گراتے ہو۔چائے کے داغ مشکل سے نکلتے ہیں۔''

راج نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں:

''کب کر رہے ہیں یہ شادی؟''

''ارے بابا! مجھے کیا معلوم۔ان کا کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔''

ساکشی کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔راج بولا:

''ویسے بے بی! ایک بات بتاؤں؟'

''اب کیا ہے۔بے بی مجھے صفائی کرنے دو۔''

ساکشی نے بیزاری سے کہا۔راج کچھ دیر خاموش رہا۔ساکشی بولی:

''اب بتاؤ گے بھی یا نہیں۔''

راج نے اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر کہا:

''یار میں سوچ رہا تھا کہ دنیا میں صرف میں ہی عظیم ہوں۔''

''مطلب؟''

ساکشی کی آنکھوں میں جیسے شعلے لپکنے لگے۔ راج کو لگا جیسے ساکشی نے اس کی چوری پکڑ لی:

''کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ میں تو بس______''

''میں تو بس کیا؟''

ساکشی کا لہجہ تیکھا ہو گیا:

''بولنا کیا چاہتے ہو؟ یہی کہ مجھ سے شادی کر کے تم عظیم بن گیے۔ یہی کہ میں اسپا میں کام کرتی تھی______''

''ارے یار! تم تو رائی کا پہاڑ بنانے لگیں۔''

راج نے ساکشی کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

''نہیں کہنے دو مجھے۔ بہت دنوں کے بعد میں نے کسی طرح ہمت جتائی ہے۔ اس لیے مسٹر راج مجھے کہنے دو۔ یہی کہ میں اسپا میں کام کرتی تھی۔ اور اپنا جسم بیچتی تھی۔ اور تم ہر تین دن کے بعد میرا جسم چند روپوں کے عوض خرید کر میری بوٹی بوٹی نوچنے آتے تھے۔ میں پاپی ہوئی اور تم عظیم کہ تم نے میرے بارے میں سب کچھ جان کر مجھ سے شادی کر لی۔ راج سنو! مجھ میں اور تم میں کریکٹر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ میں بھی تو کہہ سکتی ہوں کہ میں نے

ایک عیاش اور ٹھرکی آدمی سے شادی کر کے عظیم بننے کی کوشش کی ہے۔ مگر نہیں۔ عظیم بننے کا حق صرف مرد کو ہی ہے۔"

"جسٹ شٹ اپ یار!"

"کیوں۔ میں اپنا منہ کیوں بند رکھوں۔ تم مردوں کی پتہ کیا پرابلم ہے؟ تم سماج کو اپنی لونڈی سمجھتے ہو۔ ایک سے بڑھ کر ایک ٹھرکی۔ لڑکی دیکھی نہیں کہ اس کے سینے کی گولائیوں کا ماپ لیا۔ بتیس، پینتیس، چالیس سائز کی برا۔ چوتڑوں پر نظر نہیں پڑی کہ پینٹی کا سائز سوچا۔ ہونٹ موٹے ہوئے تو واہ چوسنے میں مزا آئے گا۔ پیٹ ہے یا پتھر کی سل۔ پھر نظر آہستہ آہستہ پیٹ سے ہوتے ہوئے pubic hair کو سہلانا شروع کرتی ہے۔ اور______"

"بس!"

راج چلایا:

"بھگوان کے لیے لفظوں کی یہ پورنوگرافی بند کرو۔"

"اب جب بات چھیڑ ہی دی ہے تو سننے کا حوصلہ بھی رکھو۔"

ساکشی نے سگرٹ جلاتے ہوئے کہا:

"پھر شام کو دن بھر دیکھے ہوئے جسموں کا گوشت کاٹا جاتا ہے۔ پھر اسے کوٹا جاتا ہے کوفتوں سے بھی نرم۔ آٹے کی

طرح گوندا جاتا ہے۔ لوئیاں جب انگلیوں کے پوروں سے جھڑنے لگتی ہے تب ایک خیالی مجسمہ تیار کیا جاتا ہے۔ ناک وہ جو فلاں لڑکی کی تھی۔ ہونٹ ویسے۔ سینے کی کٹوریاں ویسی۔ چوتڑوں کا گداز اس جیسا۔ رانوں کی گولائی ویسی۔ لو جی تیار ہو گیا مجسمہ۔ بستر میں بیوی نے کہا کہ آج موڈ ہے تو ہچکولے وہ کھاتی ہے اور مباشرت کی جاتی ہے خیالی مجسمے سے۔ غریب ہوا تو ساری رات پورن سائٹس پر خیالی مجسمے کو تلاش کرتا ہے۔ وہ نہ ملی تو اس جیسی کسی سندری کو دیکھ کر اپنا پانی نکالتا ہے۔ جیب میں جسم خریدنے کی طاقت ہو تو کسی اسکارٹس والے کو واٹس اپ میسج کرتا ہے:

''ہائی!''

وہ بھڑوا کئی کال گرلز کی پکچر سینڈ کرتا ہے۔ ایک ایک کو زوم کر کے دیکھتا ہے۔ جو لڑکی مجسمے سے میل کھاتی ہے اس کی تصویر فارووڈ کرتا ہے:

''ریٹ؟ ایک شاٹ کا۔''

''تین ہزار۔''

" Oh! too much."

ابے بہن کے لوڑے ایک عورت اپنی عصمت بیچ رہی ہے اور تم اس میں بھی بارگیننگ کرتے ہو۔ مول میں بیس ہزار کی

پرفیوم خریدتے وقت بارگینیگ نہیں کرتے:

''ٹھیک ہے مگرلڑکی سے کہنا کہ cooperate کرے۔

یارتم نے ان رنڈیوں کو کچھ زیادہ ہی سرپر چڑھایا ہے۔

کوئی سالی چوسنے سے انکار کرتی ہے تو کسی کا چوسنے لگو تو

منع کرتی ہے۔''

مسٹرراج یہ ہے تم مردوں کی اصلیت۔اور ہاں میں نے

کبھی تم سے نہیں کہا تھا کہ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔یہ

گندہ لفظ تم مجھے پیلتے پیلتے بولتے تھے۔مجھے یہ لفظ ڈسٹ

بن میں پھینکے ہوئے کنڈوم سے بھی زیادہ گندہ لگتا تھا

کیونکہ میں جانتی تھی کہ مرد کی تھیلی اترتے ہی وہ اپنی

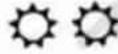
اوقات پرآجاتا ہے۔''

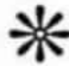
راج خالی خالی نظروں سے چھت کو دیکھ رہا تھا جہاں ایک چھپکلی بیٹھی اسے ڈرارہی تھی۔اس کے پیار میں سچائی تھی مگراس سچائی کو ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس لفظ نہیں تھے۔ساکشی کی باتوں اوراس کے برتاؤ سے اسے لگا جیسے آمرپالی کی آتما اس سے بات کررہی تھی۔آمرپالی جسے آم کے جھاڑ کے نیچے پایا گیا تھا۔وہی فلسفہ،وہی دانش اور بدن میں وہی لچک اورلوچ کہ دیکھنے والا بت بن کر رہ جائے:

"Courtesan of town."

اس کے منہ سے اچانک نکلا۔امیروں کی داشتہ۔''دیوداسی''لارڈ

کرشن کی دیوانی۔ دیوتا کی اردھانگنی جو کسی فانی آدمی سے بیاہ نہیں کرسکتی ___ ''نگرودو'' شہر کی داشتہ۔ کیا ہے ساکشی؟ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔





مجھے کیا معلوم تھا کہ عشق مجھے بھڑوا بنا دے گا

''مجھے کیا معلوم تھا کہ عشق مجھے بھڑوا بنا دے گا۔''

آشیش کو لگتا تھا کہ اس کے بولے ہوئے اس جملے کا ہر لفظ کانچ کے ٹکڑے کی طرح اس کے خون میں دوڑ کے اس کی رگوں کو اندر اندر کاٹ رہا ہے۔ الہ آباد کے ہائی کورٹ کا ایک وکیل اس کا دوست نکلا۔ وکیل نے جب کیس کی فائل دیکھی تو آشیش کی طرف کچھ اس طرح دیکھا جیسے گاہک قصائی کی دکان میں کھونٹے سے لٹکتے بکرے کی رانوں کو دیکھ کر قصائی کی طرف دیکھتا ہے:

''بوک تو نہیں؟''

''ناں ناں، بچّہ ہے، بچّہ!''

''یہ ران کاٹ کے دو مجھے۔''

''لو صاحب!''

اور کوشل خاتون کی ضمانت ہوگئی۔

ڈھلان سے خبر آئی کہ ایک قریبی رشتہ دار فوت ہوا ہے۔ ظرف النساء نے شوہر سے کہا:

''کوشل چھے مہینے کے بعد آ رہی ہے۔ میں یہاں نہ ہونگی تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم اکیلے ہی چلے جاؤ نا۔''

شعبان کے جانے کے دوسرے دن کوشل آشیش کے ساتھ گھر آئی۔ کوشل دن بھر اپنی بہنوں اور بھائی کے بچّوں میں گم ہوئی۔ آشیش کو بار بار لگا کہ جیسے کوشل کی محبت کا دامن اس کے ہاتھ سے آہستہ آہستہ سرک رہا ہے۔ جیسے وہ کھائی میں گر رہا ہے اور کوشل کو اس کی کوئی پکار سنائی نہیں دیتی۔ شام کو جب سارے لوگ اپنے اپنے گھر چلے گیے تو ظرف النساء نے پوچھا:

''وکیل نے بڑی رقم لی ہوگی؟ نہیں؟''

آشیش نے کہا:

''کوئی نہیں ممی!''

''آگے کون یہ کیس لڑے گا؟''

''الہ آباد کا وکیل ہی لڑے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

''مگر تاریخ پر خرچی ____''

آشیش کو لگا جیسے کوشل بکرے کی طرح قصائی کی دکان میں کانٹے پر لٹک رہی ہے۔ اور گاہک اس کی رانوں کو دیکھ کر پوچھتا ہے:

''بوک تو نہیں؟''

''ناں ناں بچّہ ہے صاحب!''

''یہ ران کاٹ کے دو مجھے۔''

''لو صاحب!''

قصائی نے ران تختے پر رکھ کر اس پر بغدا مارا:

''گھچا گھچ!''

اس بھیانک آواز سے وہ چونک کر دوڑتا ہوا چھت پر چلا گیا۔ اسے لگا جیسے ہر طرف سے گھچا گھچ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے سگرٹ جلایا:

''میرے لیے بھی ایک جلاؤ۔''

کوشل نے اس کے شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ دونوں کے بیچ سناٹے کی دیوار کھینچنے لگی۔ ظرف النساء دبے پاؤں چھت پر آئی۔ دیکھا کہ بیٹی سگرٹ پی رہی ہے۔ کچھ سوچ کے پھر دبے پاؤں زینے اترنے لگی:

''میں تمہارے پاس سو نہیں سکتا؟''

''پاگل ہو گیا؟''

''کیوں؟ سب کو معلوم ہے کہ ہم میئو رو ہار میں ــــــ''

''وہ الگ بات ہے۔''

''اب کل کی سب باتیں الگ ہونے لگیں۔''

''ارے تم سمجھتے کیوں نہیں؟ مجھے تھوڑا سا وقت دو۔ جب مجھے لگے گا کہ اب حالات ٹھیک ہو گیے ہیں میں خود تم سے نوئیڈا میں فلیٹ رینٹ پر لینے کے لیے کہوں گی۔''

''پکا!''

''پکا!''

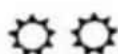
دونوں گلے ملے اور دیر تک ایک دوسرے کو چومتے رہے۔

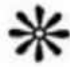
''گردن سے ہونٹ اٹھاؤ۔''

''کیوں؟''

''وہ والی feeling ہو رہی ہے۔''

رات کوشل کے ہونٹوں پر بھیگنے لگی۔





رنڈی بنے گی؟

ظرف النساء بیڈ پر لیٹی ٹی وی پر فلم دیکھ رہی تھی۔

''کہاں سے آ رہی ہے؟''

''کیوں رے! تو نے دیکھا نہیں گلی میں جاتے ہوئے؟''

اس نے لوٹا اٹھا کر پانی پینا شروع کیا۔ ہر گھونٹ کے ساتھ اس کی ہنسلی ہل رہی تھی۔ بیوی کا من کیا کہ اس کی ہنسلی پر ہتھوڑا مارے:

''منّی کو کاہے ساتھ لیا تھا؟''

''یہ ضد کرنے لگی تھی۔''

''سالی! یہ کاہے نہیں کہتی کہ اسے اب سے ہی اپنے گر سکھا رہی ہے۔''

''منّی!''

اس نے منّی کی طرف دیکھ کر کہا:

''کیا دیکھا سیٹھ کے یہاں؟''

''یہ اتنا بڑا مکان۔ بڑے بڑے کمرے ____''

''نہیں اور بتا اور کیا دیکھا؟''

''کیا پوچھ رہا ہے بچی سے؟ کیا جاننا چاہتا ہے رے سالے؟''

''تو چپ بیٹھ رنڈی!''

''دیکھ منّی! یہ تیری ماں ہے نا رنڈی تھی۔ چھنال ___ اسے میں کوٹھے کی ذلت بھری زندگی سے اٹھا کر یہاں لایا۔ مگر میں بھول گیا کہ خصلت آدمی کی چمڑی کے نیچے ہوتی ہے۔''

''تو تُو کون سا بدل گیا رے؟ تب بھی بھڑوا تھا اب بھی ہے۔ فرق یہ پڑا ہے کہ اب دوسری رنڈیوں کے ساتھ ساتھ میری کمائی پر بھی عیش کرتا ہے۔''

''چپ رنڈی! ایک وقت کی روٹی بھی میں نہیں کماتا؟ عورت کو اپنی عزت پیاری ہو تو بھوکے پیٹ اپنے پریوار کے ساتھ سوئے گی۔''

''ہاں ہاں مجھے اس جہنم سے نکال کر اس جہنم میں لا کر بڑا احسان کیا ہے نا تو نے۔ سالا یہ کمرہ ہے یا اینٹ کا بھٹا۔

ایک چیز اٹھاؤ تو دس چیزیں گرتی ہیں۔ تو مجھے اپنی عیاشی کے لیے یہاں لایا____''

''چپ رنڈی! یہ کیوں نہیں کہتی کہ تجھے روز نئے مرد کے جسم کی لت پڑ گئی ہے۔''

بیوی نے خالی لوٹا اپنے شوہر پر پھینکا۔ نشانہ چوک گیا اور لوٹا فرش پر لڑھکتا ہوا دیوار سے ٹکرایا۔ ٹھنٹھناہٹ سے منّی کانپ اٹھی۔

اس نے چھری نکالی۔ منّی کے پاس گیا۔ وہ الماری کے پیچھے چھپنے لگی۔ اس نے پکڑ کر باہر نکالا اور چھری اس کے گلے پر رکھ کر بولا:

''رنڈی بنے گی؟''

''نہیں مجھے سکول جانا ہے۔''

''سکول جائے گی؟''

ماں نے قہقہہ لگایا:

''سکول جائے گی۔ رنڈی کی بیٹی سکول جائے گی۔ بھڑوے کی بیٹی____ہاہاہا۔''

وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔

اس نے چھری ٹیبل پر رکھی۔ اپنی بیوی کو دبوچا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ منّی نے جب دیکھا کہ ماں چھٹپٹا رہی ہے تو اس نے ٹیبل سے چھری اٹھائی۔ ماں نے پھٹی آنکھوں سے دیکھا:

''نہیں منّی! نہیں۔''

چھری اس کے شوہر کی کمر میں پیوست ہو چکی تھی۔ کچھ دیر وہ بیوی کے اوپر کراہتے ہوئے چھٹپٹانے لگا۔اس کے بوجھ سے جب بیوی کی سانسیں رکنے لگیں تو اس نے اسے ایک طرف پھینکا۔اس نے منّی کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''چل بھاگ یہاں سے۔''

گلی میں گن پتی بپا موریا کے نعرے لگ رہے تھے۔وہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھیڑ میں کہیں کھوگئی۔

''ممی!میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ تھوڑی outing کرلوں۔''

وہ چونک گئی۔فلم ختم ہوگئی تھی۔دہشت سے اس کے بدن میں جھرجھری ہوئی:

''کیا کہتی ہو ممی؟ جاؤں؟''

''نہیں ابھی ابھی تو ہنگامہ مچا کر آئی ہو۔کچھ دن گھر میں آرام سے بیٹھو۔پاپا کو آنے دو پھر سوچتے ہیں۔''

''اسی لیے تو کہتی ہوں۔پاپا آئیں گے تو پھر تھوڑی جانے دیں گے۔''

''کہاں جانا ہے۔کس کے ساتھ؟''

''ممی!اپنی سہیلیوں کے ساتھ نینی تال۔''

''نینی تال؟نہیں بہت دور ہے۔تمہارے پاپا سنیں گے تو ہوبلہ مچائیں گے۔''

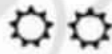
''مگر مما! پاپا کو بتائے گا کون؟ صرف دو دن کے لیے۔ پلیز مما!''

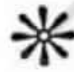
''یہ سہیلیاں کہاں ملیں تم سے؟ کیسے بات ہوگئی۔ تمہارے پاس تو موبائیل بھی نہیں۔''

''کل مینا اتم نگر میٹرو سٹیشن پر ملی تھی۔ اسی نے کہا۔''

''اچھی بات ہے۔ مگر سن کوئی لونڈا تو ساتھ نہیں؟''

''نا نا مما! کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اپنا فون دینا میں مینا سے بات کرتی۔''





اگلے دن وہ مینا سے اتم نگر میٹرو سٹیشن پر ملی:

''ممی راضی ہوگئی؟''

مینا نے چھوٹتے ہی پوچھا:

''ہاں ہوگئی۔ اب بتا پروگرام کیا ہے؟''

''دو لونڈے ہیں۔ ایک کو میں سنبھالتی ہوں دوسرے کو تم سنبھالو۔''

''لونڈے کی پک ہے؟''

''ہاں ہے۔ مگر کیوں؟ پک کا کیا کرنا ہے؟''

''کہیں بوڑھا ہوا تو نہیں آؤں گی۔ یار ادھیڑ عمر کے آدمی کو دیکھ کر feeling نہیں ہوتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں اس وقت پاپا یاد آتے ہیں۔ ادھر اسپا میں مجھ پر ایک انکل ٹائپ عاشق تھا۔ سالا کرتا پاجامہ پہن کے آتا تھا۔ پاجامہ ڈھیلا

اوراس سے ڈھیلا ''وہ''۔صرف میرے ساتھ ننگا لیٹتا تھا۔
بئیر مجھے اپنے ہاتھوں سے پلاتا تھا۔سالے کے جسم سے
بدبو آتی تھی۔اس سے زیادہ منہ سے۔مجھے گرما کے چپلا
جاتا تھا۔کہتا تھا تمہاری کچیاں ادگدرائے شہتوت کے
دانوں جیسی ہیں۔''

مینا نے موبائیل کی گیلری کھول کے دکھائی:

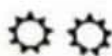
''اوں!ہینڈسم ہے۔سچ کہوں یار!سیکس کرنے اور دارو
پینے کا بہت من کرتا ہے۔''

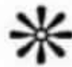
''مطلب سوکھا پڑا ہے؟''

''اور نہیں تو کیا۔''

''چودہ ہزار میں ڈن ہوا ہے۔کافی مالدار اسامی ہے۔گڈ
گاؤں میں ٹریکٹروں کا شوروم ہے۔میں نے کیا نام ہے
اس کا ہاں راہل سے کہا ہے کہ نینی تال میں سردی ہے اس
لیے تمہارے واسطے کپڑے اپنے پیسوں سے خریدے۔
تم کل اسی جگہ مجھے ملو۔میں راہل کی کار میں یہیں ملوں گی۔
پھر کسی مول میں شاپنگ کے لیے جائیں گے۔''

''اوکے ڈن!تھینک یو یار!''





یس بے بی! یس!

دہلی سے نینی تال کا سفر راہل کی جیپ میں طے ہوا۔ سفر کے دوران وہ راہل سے کافی بے تکلف ہوئی:

"بے بی! آگے کسی مارکیٹ میں جیپ روکنا پلیز! مجھے چاکلیٹ کھانا ہے۔"

"او کے بے بی!"

راہل جیپ چلاتا رہا اور کوشل اسے چاکلیٹ کھلاتی رہی:

"مزہ تو تب ہے جب اسے اپنے منہ میں خوب بھگو کر کھلاؤ۔"

ہریانے کا گبرو کچھ زیادہ ہی رومانٹک ہوا۔

کوشل اسے اپنے منہ میں بھگو بھگو کر چاکلیٹ کھلاتی رہی۔ اب راہل

کا ہاتھ کبھی کبھی کوشل کی رانوں کو سہلانے لگا۔ کوشل کا ہاتھ اس کے ہاتھ کو سہلاتا۔ اور جب راہل کا ہاتھ بھٹک جاتا تو کوشل اس کا ہاتھ کھسکا کر کہتی:

"کنٹرول بے بی! کنٹرول۔"

شام ہونے سے پہلے وہ oyo پہنچے:

"بے بی! پہلے تم fresh ہو جاؤ۔"

راہل نے کہا۔

کوشل واش روم گئی۔ وہ نائٹ سوٹ پہن کے، جب باہر آئی تو خوشبو سارے کمرے میں پھیل گئی۔ راہل جسم اور صابون کی خوشبو میں فرق نہ کر سکا۔ اس نے اٹھ کے کوشل کو گلے لگایا اور اس کے منہ کو بے تحاشا چومنے لگا۔ راہل نے انڈر شرٹ اتار دی۔ اس کا کسرتی بدن دیکھ کر کوشل کو لگا جیسے اس نے پہلی بار ایک بھرپور مرد کو دیکھا۔ دونوں کے جسم موم کی طرح پگھلنے لگے۔ راہل نے کوشل کو بیڈ پر لٹایا۔ وہ بے قابو ہوا تو کوشل اچانک اٹھ بیٹھی:

"پہلے payment کر لو۔"

"کر لوں گا یار! میں کرتا ہوں نا ابھی۔"

"نہیں نہیں پہلے payment۔"

"ارے کیا ہوا۔ میں کون سا بھاگا جا رہا ہوں؟"

"نہیں بابا پہلے payment۔"

کوشل کے اندر جیسے پھر سے ایک بار پریا کی آتما داخل ہوئی:

"ہیلو!"

''ہیلو!''

''سر آپ اوندھے منہ لیٹ جایئے۔''

''او کے!''

پریا اس کے تلوے سہلانے لگی۔ پھر ہاتھ ٹانگوں پر آٹا گوندنے لگے:

''what is your name?''

''پریا۔''

''پریا کیا؟''

''پریا شرما۔''

''کہاں سے ہیں۔''

''دہلی سے۔''

انگلیاں رانوں پر دلبربا بجانے لگیں۔ ہوس کا ایک لہرا اس کے پورے بدن میں جھنجھناتا ہوا سرایت کر گیا۔ اس نے کمر کے بل لیٹتے ہوئے اپنی باہیں پریا کی طرف پھیلائیں:

''what is your age?''

''I am twenty''

پریا کا سینہ اس کے سینے پر سانپ کی طرح سلسلانے لگا:

''extra service چاہیے؟''

''yes''

''کون سی؟ بی ٹو بی ہینڈ جاب یا سیکس؟''

''سیکس۔''

''پانچ ہزار۔''

''too much!''

''کیوں؟ جوان ہوں خوبصورت ہوں۔''

کافی بارگیننگ کے بعد سودا تین ہزار میں طے ہوا:

''گوپال بھیا! سیفٹی۔''

اس نے کپڑے اتار دیے:

''Sir! payment''

سچ کہتے ہیں بری آتما کہاں ہانٹ کرنا چھوڑتی ہے۔ اس بلا سے چھٹکارا پانے کے لیے یا تو موہ مایا کا گلا گھونٹ کر سادھوسنت یا پیر فقیر بنو یا پھر دوسرا جنم لو۔ بری آتما کے کئی روپ ہوتے ہیں۔ دولت، طاقت، شہرت، عورت، شہوت یہ سب بری آتما کے ہی روپ ہیں ان میں سے جو آسیب انسان کے اندر بنے ہوئے کھنڈر میں ایک بار بسیرا کرتا ہے پھر کوئی تانترک، کوئی اوجھا، کوئی عامل اسے نکال نہیں سکتا۔

راہل نے پرس سے سات ہزار روپے نکال کر کوشل کی گود میں رکھے۔ کوشل نے روپے گن کر لوٹائے:

''چودہ ہزار کی بات ہوئی ہے۔''

''یار سات ہزار کل دوں گا نا۔''

''نہیں full and final payment ابھی۔''

''اور جو میں نے پانچ ہزار کی شاپنگ کرائی؟ اس کا کیا؟''

''وہ سب اس سے الگ ہے۔''

راہل نے فون پر مینا کو سب ماجرا سنایا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی:

''یار تم لوگ اپنے جھگڑے میں ہمارا مزہ تو نہ کرکرا کرو۔ پلیز راہل paymentپوری کر دو۔''

راہل نے پیمنٹ پوری کر دی۔ ٹیبل پر رکھی ہوئی بوتل کا ڈھکن کھولا۔ اور دو گلاس بھر لیے۔ کوشل راہل کی گود میں بیٹھ کر وہسکی پینے لگی۔

''O my baby! I love you.''

''Love you too babay!''

راہل کے ہونٹ کوشل کے ہونٹ چبا رہے تھے۔ کوشل اپنے کپڑے اتارنے لگی۔ راہل کے ہاتھ جہاں تہاں بھٹکنے لگے۔ اس بار کوشل نے اسے نہیں روکا۔ اچانک راہل کا ہاتھ کوشل کی گردن میں لٹکتے تعویذ پر پڑا۔ وہ چونک کے کھڑا ہو گیا۔ اس کے سارے بدن میں خوف سے سنسنی دوڑ گئی:

''کیا ہوا بے بی؟''

راہل نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا:

''کے ہے یو؟''

(کیا ہے یہ؟)

''ارے تعویذ ہے یہ تو۔''

کوشل نے کہا۔ راہل بولا:

''پلیز اسے اتار دو۔ اس میں قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہونگیں۔ یہ پاپ ہے۔''

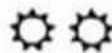
کوشل نے تعویذ اتار کے ٹیبل ہر رکھا:

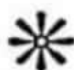
''خوش؟''

دونوں لڑکھڑاتے ہوئے بیڈ پر گر گیے۔ کوشل کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ بس اس کے منہ سے سسکاریاں نکلنے لگیں:

''yes baby! yes!''

صرف عورت جانتی ہے کہ اس قسم کے تڑپنے میں کیسی لذت ہوتی ہے۔





رات جیسے پہاڑوں پر چلتے چلتے تھک گئی۔ تھک کے کسی پہاڑ کے دامن میں سو گئی۔ صبح جیسے آسمان کے کنارے پر آنکھیں ملتے ہوئے انگڑائیاں لیتی ہوئی اٹھنے لگی۔ سورج نکلا تو ننھی ننھی کرنیں پیڑوں کی ہلتی شاخوں کے سایوں میں سنہرے پنچھیوں کی طرح پھدکنے لگیں۔ دور تک پھیلا ہوا بھیم تال کا نیلا خاموش پانی۔ کسی کنارے پر کوئی چرواہا بانسری بجا رہا تھا۔ راگ درگا کا لہرا جیسے کوشل کے چہرے پر مچلتی ہوئی ریشمی لٹوں سے کھیل رہا تھا۔ اس نے سر سے کریم کلر کی ٹوپی اتار کر اپنے بال جھٹکتے ہوئے راہل سے مدھر لہجے میں پوچھا:

''میرے بال کیسے ہیں؟''

''beautiful۔ ٹوپا پہنو۔ ٹھنڈ لگ جائے گی۔''

''میری سندرتا کی تعریف کرو نا۔ مجھے اچھا لگتا ہے جب کوئی میری سندرتا کی تعریف کرتا ہے۔''

''تم اس جھیل کے نیلے پانی پر لہراتی کرنوں سے بھی سندر ہو۔''

''ارے تم تو شاعر نکلے یار۔''

اس نے راہل کی گود میں سر چھپا کر کہا:

''کتنی سندر جگہ ہے یہ؟ نہیں؟''

راہل نے اس کی کمر سہلاتے ہوئے کہا:

''ہوں! مگر کشمیر کی سندرتا کا کوئی جواب نہیں۔''

''تم گیے ہو کبھی۔''

''ہاں گیا تھا۔ یہی کوئی دو تین سال پہلے۔ جنت ہے وہ تو۔ کہو تو اس سال جون میں چلتے ہیں۔ تمہیں پہلگام، گلمرگ، سونہ مرگ، مغل گارڈن دکھا کے لاؤں گا۔''

''جب گیے تھے تب کون ساتھ تھی؟''

''جب تو ہم دوست تھے ساتھ۔ چھوری چھاری کونہ تھی۔''

(ارے ہم دوست لوگ ساتھ تھے۔ کوئی لڑکی وڑکی نہیں تھی۔)

''ہوں جھوٹ!''

''نہیں جھوٹ نہیں بولتا۔''

''کھاؤ قسم۔''

''تمہاری قسم۔''

کوشل نے اس کے ہونٹوں میں اپنے ہونٹ گاڑ دیے۔ دونوں کی سانسیں تیز ہونے لگیں۔ بانسری کا لہرا بھیم تال کے پانی میں بھیگنے لگا۔ اچانک ایک پہاڑی لڑکی ان کے سامنے سے میمنا گود میں لیے گنگناتی ہوئی گزر گئی:

''حسن پہاڑوں کا او صاحبا! کیا کہنا کہ باروں مہینے یہاں موسم جاڑوں کا۔''

راگ پہاڑی کے سُر کوشل کے جسم کو گدگدانے لگے:

''کیا مطلب ہے اس کا؟''

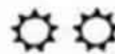
اس نے راہل سے پوچھا۔ راہل بولا:

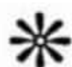
''اے میرے محبوب! پہاڑوں کے حسن کی اور ہی بات ہے۔ یہاں بارہ مہینے سردی کا موسم رہتا ہے۔''

دور پہاڑ کی چوٹی پر بادل کا ایک ٹکڑا جیسے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''چلو! دوپہر ہوگئی ہے۔ ہوٹل چلتے ہیں۔''

کوشل نے اپنے جسم کا پورا بوجھ راہل کے بازوؤں پر ڈالا۔ جیسے تال کی ایک لہر دوسری لہر میں سما گئی۔





you mean sex?

چار بجے مینا نے ان کے کمرے کی بیل بجائی۔ راہل نے دروازہ کھولا۔ کوشل کمبل میں دبکی ہوئی تھی:

"چلو بابا پیرا گلائیڈنگ کے لیے نہیں جانا۔ اٹھو کوشل پھر دیر ہو جائے گی۔"

کوشل نے سر باہر نکال کر کہا:

"تو جائے گی تو ہی کپڑے بدل پاؤں گی۔"

"اچھا اب مجھ سے شرم آنے لگی۔"

اس نے چادر کھینچنا چاہی۔ کوشل چلائی:

"ارے راسکل میں نے کچھ نہیں پہنا ہے۔ دفع ہونا۔"

مینا نے راہل کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری اور چلی گئی۔

"baby!"

کوشل نے اپنا بیگ کھول کر پوچھا:

"کون سے کپڑے پہنوں؟"

راہل نے کالی جیکٹ اٹھائی اور اس سے میچ کرتی ہوئی کیپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اس نے پہننا۔"

(یہ پہن لو۔)

"اس کریم کلر کے جیکٹ کو کیوں نہ پہنوں۔"

"یا تو ابھی پہنا تھا۔ کچھ الگ سا ہونے۔"

(یہ تو ابھی پہنا تھا۔ تھوڑا بہت different لگنا چاہیے۔)

"او کے! او کے!"

لوٹتے ہوئے راہل کی جیپ خراب ہوگئی۔ oyo کے منیجر نے ایک مستری سے بات کی۔ شام ہونے سے پہلے oyo کے سٹاف نے الاؤ جلایا۔ کوشل اور مینا ابھی کرسیوں پر بیٹھی ہی تھیں کہ لڑکے باہر آگیے۔ مینا کا ساتھی بولا:

"ہم ذرا مستری کے پاس جارہے ہیں۔ you enjoy yourself۔ کچھ چاہیے تو بیرے سے کہنا۔"

مینا نے اسے پکارا:

"یعقوب!"

یعقوب نے مڑ کر پوچھا:

"yes baby!"

"سگرٹ میرا اوالا برانڈ لانا پلیز۔"

"او کے!"

"یہ مسلم ہے؟"

کوشل نے پوچھا:

"ہوں مسلم ہے۔"

کوشل نے یعقوب کو آواز دی:

"ہیلو مسٹر! سلام علیکم۔"

یعقوب کو حیرت ہوئی۔ اس نے دور سے ہی سلام کا جواب دے کر پوچھا:

"مسلم؟"

"یس مسلم۔"

"ok nice!"

"کہیں میں نے گڑ بڑ تو نہیں کی؟"

مینا نے پوچھا۔ کوشل بولی:

"نہیں یار سب کا ایک جیسا ہوتا ہے۔ سر پر ٹوپی ہو یا نہ ہو سر پھر بھی سر ہی کہلاتا ہے۔"

"ایک دم حرامی ہے تو۔ اچھا سن ایک بڑی گڑ بڑ ہوئی

ہے۔ آنٹی نے دس بار فون کیا ہے۔ وہ تمہارا بوائے فرینڈ بار بار فون کر رہا ہے۔ تمہیں پوچھتا ہے۔ لو اپنی ممی سے بات کرلو۔"

اس نے اپنا موبائیل کوشل کی طرف بڑھایا:

"ہیلو ممی! سلام علیکم۔ کیا ہوا؟"

"ارے تمہارا سر۔ جنم جلی تمہیں دو دن بھی گھر میں قرار نہ آیا۔ اس آشیش کے بچے نے کل سے سو بار فون کیا ہوگا۔ پوچھتا ہے کہاں گئی ہے۔ میں نے تنگ آکر بتایا کہ دیدی کے یہاں گئی ہے۔ کم بخت نے تمہارے جیجا کو فون لگایا۔ اس نے بولا کہ یہاں نہیں ہے۔ بس تو پھر ہو گیا شروع۔ کہاں رکھا ہے؟ کہیں شادی تو نہیں کرادی اس کی۔"

"اچھا مما! سنو! آشیش کے پاس ہمارے جتنے بھی contacts ہیں ان سے کہہ دو کہ اس کے نمبر کو بلاک کردیں۔ تم تو ابھی کرلو۔ میں کل آکر situation خود سنبھالوں گی۔ او کے بائی۔"

اس نے فون کاٹا۔ مینا بولی:

"تمہارے جاب کے لیے اپنے ایک دوست سے بات کی ہے۔ اس کی جان پہچان کا ایک افسر ہے۔ کال سنٹر میں کام کرنا ہے۔ مگر باس سے کمپرو کرنا ہے۔ بول کرے

گی؟''

''ہاں یار! اور کیا کروں گی۔ جہاں اتنا کچھ ہوا وہاں ایک بار اور سہی۔ گھر میں رہ کر دو دن میں میری جان سوکھ جائے گی۔ ممی پاپا کی لڑائی اور اس پر بھائیوں کے ٹینشن۔ نہیں رہ سکتی میں گھر میں یار۔ اب تم کس سوچ میں ڈوب گئیں؟''

الاؤ بجھنے لگا تو لکڑیاں دھواں دینے لگیں۔ مینا نے کرسی ذرا دور سرکائی۔ بولی:

''میری مانو تو گھر میں رہو۔ پاس ہی کوئی چھوٹا موٹا جاب کر لو۔ تمہیں پتہ ہے کہ انکل اور آنٹی کی سب سے بڑی پرابلم کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی پرابلم تنہائی ہے۔ وہ خلا ہے جو تم لوگوں کے دور ہونے سے بن گیا ہے۔ تم گھر میں رہو گی تو ممکن ہے یہ خلا کچھ بھر جائے۔ آسمان کے بعد ماں کا سایہ اولاد کے سر پر سب سے مضبوط چھت ہوتی ہے۔ بھلے ہی باپ دن میں سو گالیاں سنائے مگر ایک بار ضرور اپنی اولاد کی طرف ممتا بھری نظر سے دیکھے گا۔ چاہے کن انکھیوں سے ہی کیوں نہ دیکھے۔ وہ ایک نظر دنیا کی سب سے بڑی دولت ہوتی ہے۔ اور تم لوگ اس دولت سے محروم ہو چکے ہو۔ یار پاپا ممی کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان کے درد کی زبان سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''ہو گیا تمہارا لیکچر؟ یار سمجھانا آسان ہے مگر جھیلنا مشکل ہوتا ہے۔ہم بہت جھیل چکے ہیں یار۔''

''تمہاری اپنی پرابلم پتہ کیا ہے۔تم اپنے گھر میں خود کو قیدی محسوس کرتی ہو۔کیونکہ گھر میں سگرٹ نہیں پی سکتیں۔ دارو نہیں پی سکتیں اور اور______''

''اور کیا؟you mean sex??''

''yes! I mean sex. میری مانو تو کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر شادی کرلو۔تمہارے لیے آشیش سے better choice کوئی نہیں۔وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اس نے تمہارے لیے بڑی ذلتیں اٹھائیں ہیں۔تم سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔تمہارے کیس کی ذمہ داری اس نے لی ہے۔بس اسی کو اپناؤ۔''

کوشل بولی:

''نہیں یار! ابھی شادی کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔کیس ختم ہو جائے تب سوچوں گی۔''

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔مینا بولی:

''دیکھو کوشل! اگر آشیش سے تمہارا من بھر گیا ہے تو کسی اور کو اپنا کے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو۔اس اگنی پرکشا سے تمہیں گزرنا ہوگا۔جانتی ہو ہر عورت دن میں

کئی بار اگنی پرکشاؤں سے گزرتی ہے۔ باپ جانتا ہے کہ بیٹی صبح دھندہ کرنے کے لیے نکلتی ہے۔ پھر بھی جب شام کو بیٹی آتی ہے تو اپنی مردانگی یہ کہہ کر دکھاتا ہے کہ کہاں منہ کالا کرنے گئی تھی۔ صبح اصلی گھی کے پراٹھے کھا کر بیوی سے نہیں پوچھتا کہ گھر میں راشن کہاں سے آیا۔ میری ایک جان پہچان کی لڑکی ہے۔ پریوار میں دو لڑکیاں اور ان کے ماتا پتا ہیں۔ شرابی باپ نکما ہو گیا ہے۔ جاب کی تلاش میں کئی بار کمپرکیا۔ اب پانچ چھے ہزار کی نوکری کے لیے چھوکری بار بار باس اور اس کے ٹھرکی دوستوں کی ہوس پوری کرے تو اس سے اچھا ہے کہ دھندے پر ہی بیٹھے۔ دونوں نے بینک سے لون لے کر اپنے مکان میں چار کھمبوں پر ایک کمرہ بنوایا۔ باپ سے کہا سلائی کا کام کریں گے۔ گلی کی طرف ایک سیڑھی بنوائی اسی سے گاہک آتے جاتے ہیں۔ چھوٹی کا گاہک آتا ہے تو بڑی اونچی آواز میں کہتی ہے: ''دھاگا ختم ہو گیا ہے۔ میں بازار جا رہی ہوں۔'' بڑی کا آتا ہے تو چھوٹی کہتی ہے: ''سوئی ٹوٹ گئی ہے۔ لانے جا رہی ہوں۔'' ماں باپ کو سب پتہ ہے کہ کمرے میں کیسی سلائی ہو رہی ہے۔ کیوں دھاگا ختم ہو جاتا ہے۔ کیوں سوئی ٹوٹ جاتی ہے۔''

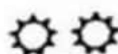
وہ رونے لگی۔کوشل گہری سوچ میں پڑ گئی:

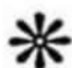
''!come on yar کیا سوچتی ہے؟''

''یار آشیش اور راہل کے بیچ میں پھنسی کچھ طے نہیں کر پا رہی ہوں۔آشیش کی الہ آباد میں اچھی نوکری تھی۔اس نوکری کو چھوڑ کر وہ دہلی میں جاب کرنے لگا ہے۔مگر اس کی سیلری میں مجھے اچھا مستقبل نظر نہیں آتا۔ہاں وہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔مگر پیار کو آٹے کی طرح گوند کر روٹیاں تو نہیں بنائی جا سکتیں۔راہل کو ابھی اچھی طرح نہیں جان پائی۔مگر امیر گھرانے کا ہے۔ٹریکٹروں کی ہول سیل برنس ہے۔کافی دولت ہے۔کئی گاڑیاں ہیں۔کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

اتنے میں راہل کی جیپ ہارن بجاتی ہوئی oyo کے احاطے میں داخل ہوئی۔

پیڑوں پر اداسی بھری گہری خاموشی چھا گئی۔





رنڈی کا یار سدا خوار

محمد شعبان جس وقت کمرے میں داخل ہوا کوشل اپنی ماں کو بیگ کھول کے کپڑے دکھارہی تھی۔اسے آتا دیکھ کر کوشل نے فوراً کپڑے سمیٹے اور بیگ الماری میں ٹھونس دیا۔وہ کمرے سے نکل کر چھت پر گئی۔محمد شعبان نے پانی پی کر الماری کھولی۔ایک ایک کر کے بیٹی کے نئے کپڑے دیکھے۔پھر اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی۔بیوی نے پوچھا:

''ڈھلان میں سب کیسے ہیں؟''

شعبان نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر کہا:

''ظرفو! کہتے ہیں کسی گاؤں میں ایک چھنال رہتی تھی۔ اس کی شادی ہوگئی۔شوہر کو جب پتہ چلا کہ بیوی بیسوا ہے تو پہلے بہت سمجھایا۔مگر وہ کم ذات نہ مانی۔پھر ایک دن زہر

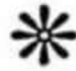
کھا کر اپنا قصہ تمام کیا۔ چھنال کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ ماں جس قدر بوڑھی ہوتی گئی اسی قدر بیٹی جوان ہونے لگی۔ ماں نے اپنے سارے گر سکھائے۔ ایک دن بیٹی کی کلائی پکڑ کر پوچھا: ''نامراد! یہ گھڑی کہاں سے لائی؟'' بیٹی نے معصومیت سے جواب دیا: ''اماں! یہ تو مجھے راستے میں پڑی ملی۔'' ماں نے کہا: ''ناس پیٹی! تیری عمر کی تھی تو مجھے راستے میں گھڑی کے ساتھ سونے کی انگوٹھی بھی ملتی تھی۔ نادان! سستے سودے میں جوانی اپنی خراب نہ کر۔''

ماں مرگئی تو ایک لڑکا اس پر لٹو ہو گیا۔ کہتے ہیں رنڈی کا یار سدا خوار۔ لڑکا جب پونجی اپنی لٹا چکا تو دھتکار کے باہر کر دیا۔ وہ بھی اپنی دھن کا پکا تھا۔ کچھ عرصہ چوکھٹ سے اپنی محبوبہ کی چمٹ کے رہ گیا کہ شاید رحم آجائے۔ جب مایوس ہوا تو اپنی ہی محبوبہ پر کالا جادو کرایا۔ لڑکی کوڑھ میں مبتلا ہو گئی۔ رفتہ رفتہ انگلیاں جھڑنے لگیں۔ معذور ہو گئی۔ لڑکے کو رحم آیا۔ اپنی محبوبہ کی لگ کے خدمت کرنے لگا۔ صحبت سے اس لڑکی کی اسے بھی کوڑھ نے پکڑا کہ یہ اڑتی بیماری ہے۔ ایک دن لڑکی نے پوچھا: ''تمہیں میری قسم یہ جو میں سن رہی ہوں کہ تم نے مجھ پر کالا جادو کرایا ہے کیا یہ سچ ہے۔'' بولا: ''تمہاری قسم جھوٹی نہیں کھا سکتا۔ سچ سنا

ہے۔" دونوں گلے مل مل کر رو دیے۔ رات کے اندھیرے میں دونوں نے ندی میں کود کر پانی کا کفن پہنا۔ ظرفو! اپنی بیٹی سے کہہ دو کہ میرے گھر سے فوراً نکل جائے۔ ایک ناسور اور سہی۔"

وہ سیڑیاں اترنے لگا۔ اس کی باتیں سن کر ظرف النساء سناٹے میں آ گئی۔





بوائے فرنڈ چاہیے چوکیدار نہیں

کچھ لوگ اپنی غلطیوں کو اپنی ذات کے پٹارے میں چھپا کر رکھتے ہیں۔انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب غلطیاں سانپ کا روپ دھارن کرتی ہیں۔ پھر جب وہ ایک دن پٹارہ کھولتے ہیں تو سانپ پھن پھیلا کر پھنکارنے لگتا ہے۔اب غلطی غلط فہمی میں بدل جاتی ہے اور وہ ماننے لگتے ہیں کہ سانپ ان کو نہیں ڈس سکتا۔اور اگر ڈس بھی لیا تو سانپ زہریلا نہیں۔زیادہ سے زیادہ کچھ دیر کے لیے زخم کی جگہ درد ہوگا۔اور اگر زہریلا بھی ہوا تو اس کا زہر انہیں مار نہیں سکتا۔

آشیش نے جب پٹارا کھولا تو پھنکار سن کر کچھ دیر کے لیے ڈر گیا۔ اسے لگا جیسے سانپ کہہ رہا ہو کہ تمہاری پہلی غلطی یہ تھی کہ تم نے کوشل سے پیار

کیا۔ کوشل تمہیں صرف helper سمجھتی ہے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ اس کے بارے میں سب کچھ جان کر اس سے نباہ کیا اور اس کی ضمانت کے لیے ذلتیں اٹھائیں جس کی وہ ہرگز مستحق نہ تھی۔ تیسری غلطی یہ کہ کوشل کے بارے میں سب کچھ جان کر اس سے شادی کا من بنایا۔ چوتھی غلطی یہ کہ کوشل کو اپنے احسانوں کے بوجھ تلے دبانا چاہا۔ کوشل کے لیے اتنا کر کے اسے اپنی پراپرٹی سمجھا۔

آشیش کی انہی غلطیوں نے کوشل کو ایک ایسے Saturation point پر پہنچایا جہاں اسے آشیش کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا کڑا فیصلہ لینا پڑا۔ آشیش نے کوشل کی غیر موجودگی میں اس کے لیے موبائیل خریدا۔ اپنے نام کا سم کارڈ نکالا۔ اس کے موبائیل میں سب سسٹم انسٹال کیے اور اس کے واٹس اپ کا کیو آر اسکین کر کے اس کے واٹس اپ کو اپنے موبائیل میں منتقل کیا۔ یہ اس کی آخری غلطی نکلی۔

کچھ دن نئے فلیٹ پر ٹھیک ٹھاک گزرے۔ مگر کوشل کو معلوم نہ تھا کہ آشیش نے اس کے پورے وجود کو سرویلنس پر لگا دیا ہے۔ اس نے کوشل کی ہر واٹس اپ چیٹ کے سکرین شارٹ اپنی گیلری میں محفوظ کیے۔ وہ آفس میں یہ سب پڑھتا تھا:

''ہائے!''

''ہائے! کہاں ہو؟''

''آفس۔''

''بے بی تم کہاں ہو؟''

''گڈگاؤں اپنے شوروم پر۔''

''اور سب کیسا ہے؟''

''سب بڑھیا۔تم سناؤ۔''

''سب بڑھیا۔''

''یار بے بی ملنے کا من کرتا ہے۔''

''اچھا تم ایسا کرو۔ میں جس دن فری ہوں گی تم کو بتادوں گی۔تم oyo میں کمرہ بک کرنا۔وہیں ملیں گے۔مگر مجھے شام سے پہلے نکلنا ہوگا۔''

''کب فری ہو جاؤ گی؟''

''میں بتادوں گی۔''

''اوکے بائی۔''

''بائی۔''

''بے بی آفس ٹائم میں فون مت کیا کرو۔ میں لنچ ٹائم میں یہیں سے فون کیا کروں گی۔''

''اوکے! اپنی کوئی پک بھیج دو پلیز!''

''اوکے!''

''so gorgeous!''

"Thank you baby. Ok bye"

"Ok bye sexy!"

آشیش کا پورا وجود جل رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ اب شوہر بننے کے چکر میں بھڑوا بننے جا رہا ہے۔ اور ایک دن:

"Hi babay!"

" Hi!"

" Thank you baby!"

"کس لیے؟"

"کل کا دن special بنانے کے لیے۔"

"تم نے مجھے کتنا دیا تھا؟"

"پانچ ہزار۔ کیوں؟"

"تم نے تین پانچ سو کے نوٹوں کے بجائے سو سو کے نوٹ دیے تھے۔"

"اوہ! سوری۔ جلدی میں گڑبڑ ہوئی ہے۔"

"کوئی نہیں۔ او کے بائی!"

اب زمین اپنے نیچے بہتے ہوئے لاوے کا زور برداشت نہ کر سکی۔ آشیش نے سارے اسکرین شارٹس کوشل کے واٹس اپ پر بھیجے۔ کوشل جب آئی تو اپنا بیگ پھینکتے ہوئے غصے میں بولی:

"کیا ہے یہ سب؟"

"کیوں تم نے نہیں دیکھا؟"

''تم یہ سب بھی کرتے ہو؟''

''ہاں کرنا پڑتا ہے۔''

''کیوں؟ تم نے میرے اوپر احسان کر کے مجھے خود کی پراپرٹی سمجھ لیا؟''

''میں نے کب ایسا کہا۔''

''نہیں تمہاری ان حرکتوں کا مطلب تو وہی ہے نا۔''

''دیکھو کوشل! ہم شادی کر رہے ہیں۔ تمہیں بدلنا ہو گا۔ اپنے لیے۔ میرے لیے۔ میرے پریوار کے لیے۔''

کوشل غرائی:

''شادی؟ کون سی شادی؟ کس کی شادی؟ اور میں تمہارے لیے کیوں بدل جاؤں؟۔ تمہارے پریوار سے میرا کیا ناطہ ہے جو میں اس کے لیے خود کو بدل دوں۔ تم میری اسپیس میں گھس رہے ہو۔ اور یہ مجھے ہرگز گوارا نہیں۔ تم سے شادی کر کے تو مجھے ساری زندگی تمہارے احسانوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ اور کیا معلوم کب تمہارے باپ کو میری حقیقت معلوم ہو جائے اور وہ مجھے

بازاری عورت سمجھ کر میرے سامنے اپنی ہوس کی پوٹلی کھول دے۔''

اب آشیش کے صبر نے جواب دیا۔اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ کوشل کے منہ پر مارا:

''رنڈی ہے تو۔رنڈی ہی رہے گی۔''

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھول کے باہر نکلا۔کوشل نے کچھ دیر سوچا۔پھر راہل کو فون لگایا:

''ہیلو بے بی!ایک پرابلم ہوگئی۔میں جس سہیلی کے ساتھ رہتی تھی وہ جاب چھوڑ کے گھر چلی گئی۔میں اتنا رینٹ نہیں دے سکتی۔میں نا دوسرے سیکٹر میں کسی اپارٹمنٹ میں پانچ چھے ہزار کا کمرہ لوں گی۔مجھے تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے۔''

''ہاں ہاں بولو۔پریشان کیوں ہوتی ہو یار!''

''تم نا ابھی میرے اکاؤنٹ میں دس ہزار ٹرانسفر کرو۔باقی میں سمجھاؤں گی۔میں اپنے اکاؤنٹ کی ڈیٹیل بھیج رہی ہوں۔''

''او کے!او کے!''

''مگر بے بی!''

راہل بولا:

''کمرہ اس اپارٹمنٹ میں لینا جہاں cctv camera نہ لگے ہوں۔اور جہاں میں بنا کسی جھجک کے آجاسکوں۔''

''او کے او کے میں سمجھ گئی۔''

آشیش نے ساکشی کو فون کر کے بلایا۔ ساکشی اور راج کوشل کے بھرے ہوئے بیگ دیکھ کر سناٹے میں آگیے۔ کچھ دیر کے لیے انہیں کچھ نہیں سوجھا کہ وہ کیا کہیں۔ ساکشی نے کوشل کے ہاتھ سے بیگ چھین کر پوچھا:

''آخر ہوا کیا ہے؟''

کوشل نے جلبلا کر کہا:

''یہ تمہارا بھائی میری چوکیداری کرنے لگا ہے۔ مجھے بوائے فرینڈ چاہیے چوکیدار نہیں۔''

''مگر کوشل!''

ساکشی نے نرم لہجے میں کہا:

''اس بیچارے نے تمہارے لیے کیا کیا نہیں کیا۔ تھانوں میں ذلیل ہوا، عدالت میں رسوا ہوا____''

''تو کون سا احسان کیا ہے مجھ پر؟ میں بھی تو اسے اپنا جسم دیتی رہی۔''

''ہے رام!''

راج کے منہ سے حیرت میں نکلا۔ کوشل نے سگرٹ کا کش لے کر کہا:

''اب راج! یہ ''ہے رام'' کا ناٹک مت کرو پلیز۔ مجھے جانے دو۔ ورنہ میں شور مچاؤں گی۔''

ساکشی سے راج کی بے عزتی برداشت نہ ہوئی۔ اس نے راج کی باہ پکڑ

لی:

''چلوراج۔''

ان کے پیچھے پیچھے کوشل بھی نکلی۔وہ گالیاں بک رہی تھی:

" fuck you fuck your family bloody raskal!"

کار میں بیٹھتے ہی ساکشی نے سگرٹ جلایا۔راج اس کی ذہنی حالت کو سمجھ سکتا تھا۔ بلکہ وہ خود صدمے میں تھا۔اس نے اپنی بیوی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا:

''relax Sakshi, relax سب ٹھیک ہوگا۔''

''نہیں راج! کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔تم نے اس لونڈیا کے تیور دیکھے؟''

''ہاں دیکھے۔ساکشی! بھگوان جو کرتا ہے اس میں انسان کی بھلائی ہوتی ہے۔''

''راج! وہ میرا بھائی ہے۔وہ مر جائے گا۔''

''نہیں! اسے آگ کے اس پُل سے گزرنے دو۔انسان مرتا ہے تبھی دوسرا جنم لیتا ہے۔آشیش کو کسی بھی حال میں دوسرا جنم لینا ہوگا۔وہ اس جنم سے جتنی جلد مکتی حاصل کرے اتنا ہی اس کے لیے اچھا ہے۔یہ لڑکی اسے زندگی کے کسی بھی موڑ پر چھوڑ سکتی تھی۔''

کار سے اتر کے ساکشی کو لگا جیسے اس کے پاؤں سو من کے ہو گیے

ہیں۔اس سے قدم نہیں اٹھایا جا تا تھا۔راج نے اسے سہارا دیا۔راج نے فلیٹ کا دروازہ کھولا۔اسے لگا کہ ساکشی لڑکھڑانے لگی۔وہ مشکل سے اسے بیڈ تک لایا۔بیڈ پر لیٹتے ہی اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی:

''راج! میرے بھائی کو بچاؤ پلیز۔وہ کوشل کے بغیر مر جائے گا۔''

''ساکشی! تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھے آشیش کی حالت کا اندازہ نہیں۔کوشل لوٹنے کے لیے نہیں گئی ہے۔ہم لاکھ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑائیں۔وہ نہیں آئے گی۔''

''پھر کیا ہوگا؟ کہیں آشیش frustration میں کچھ کر نہ لے۔''

''کچھ نہیں کرے گا وہ۔کیونکہ وہ اس وہم میں ہے کہ کوشل اس کے پاس آئے گی۔ہمیں اس کی مدد کرنا ہوگی۔اسے اس صدمے سے نکالنا ہوگا۔''

شام تک ساکشی نے آشیش کو بار بار فون لگایا مگر اس نے نہیں اٹھایا۔ اس وجہ سے وہ اور بھی پریشان ہوئی:

''راج! تم فون لگا کر دیکھو۔شاید تمہارا فون اٹھائے۔''

راج نے فون لگایا:

''ہیلو! جیجا جی۔''

آشیش دھاڑیں مار کر رو رہا تھا:

''جیجا جی اس نے اور اس کے سب فیملی نے مجھے ہر جگہ بلاک کر رکھا ہے۔اب میں کیا کروں؟____''

راج نے ٹیبل سے کار اور فلیٹ کی چابی اٹھائی۔ساکشی کو اشارے سے اٹھنے کے لیے کہا:

''کیا ہوا؟ مجھے بتاؤ پلیز۔ میں مر جاؤں گی۔ہائے بھگوان!''

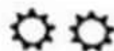
''ساکشی پلیز! ہمت مت ہارو۔کچھ نہیں ہوا ہے اسے۔تم تالا لگاؤ میں بات کر رہا ہوں نا۔''

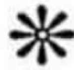
ساکشی کو لگا جیسے کار کسی دلدل میں پھنس گئی ہے اور راج ہوا میں ایکسیلیٹر دبا رہا ہے۔لفٹ میں اسے لگا جیسے وہ کسی سمندر میں ڈوب رہی ہے۔آشیش کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔وہ اوندھے منہ لیٹا تھا۔ساکشی نے دیکھا تو وہ کچھ اور سمجھ بیٹھی۔اس کے منہ سے دردناک چیخ نکلی:

''آشو!''

وہ اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔آشیش کے جسم میں تھرتھری ہوئی۔اس نے بہن کو گلے لگایا۔الماری کی طرف دیکھ کر بولا:

''دیدی وہ چلی گئی۔''





کوشل خاتون

بڑی مشکل سے آشیش شفٹ کرنے پر آمادہ ہوا۔ اس کی آنکھوں میں گہری اداسی دیکھ کر ساکشی کا کلیجہ چھلنی ہونے لگا۔ دونوں میاں بیوی اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر ایسی اداسی جو محرومیت سے پیدا ہوتی ہے وہ تب ہی دور ہو جاتی ہے جب کچھ کھونے کے بعد اس جیسا کچھ مل جائے۔ جب آدمی کو تسلی ہو جاتی ہے کہ جو کھویا قدرت نے کسی اور روپ میں اس کی بھرپائی کی۔

ایک شام جب ساکشی اور راج کلینک سے لوٹے تو آشیش نے پریشانی کے عالم میں پوچھا:

''کیا بولا ڈاکٹر نے؟''

ساکشی نے اس کے دونوں گال کھینچ کر کہا:

''ڈاکٹر نے کہا کہ میرا پیارا آشو ماما بننے والا ہے۔''

یہ سن کر آشیش کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اس نے ساکشی کو گلے لگایا:

''سچ دیدی!''

''ہاں سچ کہہ رہے ہی۔''

راج نے کہا۔ تینوں گلے مل کر رونے لگے۔

ساکشی کی ڈیلیوری سے کچھ دن پہلے اس کے ماں باپ بھی آگیے۔ آشیش جیسے سب درد بھول گیا تھا۔ ڈیلیوری نارمل ہوئی۔ پھر نام کرن کا دن آیا۔ پنڈت نے کنڈلی دیکھ کر کئی نام تجویز کیے۔ پھر پوچھا:

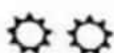
''آپ لوگ کوئی نام تجویز کرتے ہیں؟''

آشیش اپنی بھانجی کو چوم رہا تھا۔ راج نے کہا:

''جو نام آشو بولے گا وہی رکھیں گے۔''

آشیش کے منہ سے اچانک نکلا:

''کوشل خاتون۔''



شکریہ

استادِ محترم جناب پروفیسر قدوس جاوید صاحب کا جن کی راہنمائی کے بغیر میرے لیے تخلیقی سفر جاری رکھنا ناممکن ہے۔ بڑے قسمت والے ہوتے ہیں وہ شاگرد جنہیں قدوس صاحب جیسے مشفق استاد اپنی سرپرستی میں لیتے ہیں۔

اپنے برادرِ عزیز عالی جناب ملک محمد اشرف پرنسپل ڈسٹرک ششنز جج بڈگام کشمیر کا جنہوں نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اس مسودے کو پڑھا اور کئی قیمتی آراء سے نوازا۔

اپنی بیگم ریحانہ اختر کا جو کشمیر سے نوئیڈا چھٹیوں پر میرے لیے آئی تھیں مگر اس ناول نے مجھے اس قدر مصروف کر دیا کہ انہیں ایک لمحہ بھی نہ دے

سکا۔افسوس اس احساسِ جرم سے اب راتوں کو نیند نہیں آتی۔میں ریحانہ سے بہت پیار کرتا ہوں مگر اس ناول کے ایک کردار راج کی طرح میرے پاس بھی یہ ثابت کرنے کے لیے الفاظ نہیں۔

اپنے بیٹے سیّد محمد سبزان ختائی (دھانی) کا جس نے اس دوران اپنی ماں کو میری کمی محسوس ہونے نہ دی۔اللہ میرے بیٹے کو سلامت رکھے۔

اپنے پسرِ معنوی جاوید رسول کا جس نے مجھے ہر قدم پر حوصلہ بخشا۔ سوچتا ہوں کہ یہ پیارا، ذہین اور لائق و فائق جوان مجھے دیر سے کیوں ملا۔ دھانی کو ادب کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔شاید جاوید ہی میرے ادبی ترکے کا وارث بن جائے گا۔اللہ اس سعادت مند بیٹے کو سلامت رکھے۔

اپنے دوست ڈاکٹر راشد انور راشد کا جن کی وساطت سے میری ملاقات جناب ڈاکٹر صفدر امام قادری سے ممکن ہوئی۔

جناب ڈاکٹر صفدر امام قادری صاحب کا جنہوں نے کئی مکالموں کو بھوجپوری میں ڈھال کر مجھ پر بڑا احسان کیا۔

اپنے پیارے دوست دیپک آرسی کا جنہوں نے کئی ہم مشوروں سے

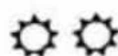
نوزا۔

جناب بشیر چراغ کا جن کی شفقت اور محبت نے مجھے ہمیشہ کام کرنے کا حوصلہ بخشا۔

معروف مصوّر جناب رؤف قیاسی صاحب کا جنہوں نے بڑی محبت سے سرورق کے لیے تصویر عنایت کی۔

عزیزی ملک عبدالباسط کا جنہوں نے اس ناول کا غائر مطالعہ کیا اور کئی نکات پر مجھ سے بحث کر کے اس ناول کے پہلے ناقد ہونے کا ثبوت دیا۔ اللہ انہیں سلامت رکھے۔

اپنے پیارے دوستوں انکت تیا گی اور دھرم چودھری کا جن کی محبتوں کا کوئی جواب نہیں۔



KOSHAL KHATUN

(Novel)

by

Dr. Shafaq Sopori

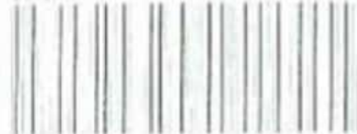


ہمہ جہت تخلیقیت کے حامل شفق سوپوری کے ناول عصری زندگی اور زمانہ کے زندہ و متحرک استعارے ہیں۔ ان میں Nativism بھی ہے اور سابقہ ناولوں کی رسومیات کے برعکس "بیانیہ" کی ایک نئی ساخت کی تشکیل کے عناصر بھی۔ اردو ناول میں سماج، سیاست، معیشت اور تاریخ کی پیوندکاری کی مدد سے کچھ حقیقت پسندانہ اور کچھ Idealistical کہانی، کردار اور واقعات کے ساتھ ناول کی تخلیق کی روایت کا احترام شفق کے ناولوں میں ملتا ہے لیکن بہ اندازِ دگر۔

شفق اپنے کسی بھی ناول کی تخلیق سے پہلے اپنے تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے موضوع سے متعلق پہلے تو اپنے ذہن کو منصوبہ بند طور پر ایک شکل دے کر ضروری documentation کرتے ہیں اور پھر واقعات، کردار اور اپنے مافی الضمیر کے مطابق عبارت بہ عبارت ناول کی تعمیر کرتے ہیں۔ اور یہی اسلوب معاصر ناول کی شعریات کے تقاضے بھی ہیں۔ "ہیلیما"، "فائرنگ رینج: کشمیر ۱۹۹۰"، "موسیٰ"، "دریا ہے چشم گریہ ناک سے"، "کوشل خاتون" تک شفق کی ناول نگاری کا یہی امتیاز انہیں دوسرے معاصر ناول نگاروں سے ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

ناول "کوشل خاتون" میں ملک میں ہر طرح کے اقتداری نظام میں جاری و ساری انتشار و بحران کے سبب قوم خصوصاً نئی نسلوں کے سامنے تیزی سے پھیلتی ہوئی محرومی اور نارسائیوں کی تاریکی کے کرب کو مرکز میں رکھ کر شفق نے جس تشویش کا اظہار کیا ہے وہ عہدِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اور یہ ناول اس زاویے سے صرف ایک ناول نہیں ملک و قوم کو اس المیے سے نجات کے لیے ایک دعائے خیر کا بھی حکم رکھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں شفق کا یہ ناول قارئین کو ذات، زندگی اور زمانہ کو نئے زاویوں سے دیکھنے، سمجھنے اور برتنے کے نئے ابعاد کی نشاندہی کرتا ہے۔

پروفیسر قدوس جاوید


ISBN 978-93-94616-72-1

978-93-94616-72-1

www.ephbooks.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi, INDIA